مشائخِ طریقت کے دربار میں

جس میں مستند مصادر سے پاک وہند کے تصوف کے چار مشہور سلسلوں کے مشائخ کے حالات، خصوصیات وعادات اور گراں قدر ملفوظات جمع کئے گئے ہیں جس سے دل ودماغ کو تروتازگی اور فکر وروح کو جلاء ملتی ہے۔

تالیف:

مفتی عبیدالرحمٰن صاحب، مردان

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

0300-9326101

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ۔۔۔۔۔۔مشائخ طریقت کے دربار میں

مصنف:۔۔۔۔۔۔۔۔ مفتی عبید الرحمان، مردان

صفحات:۔۔۔۔۔۔۔۔١١٦(تقریباً)

تاریخِ اشاعت:۔۔۔۔۔۔۔

تعداد:۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ناشر:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دارالافتاءوالارشاد، مردان

ملنے کا پتہ: دارالافتاءوالارشاد، مردان: 03009326101

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ ربّ العالمین والصّلوات والتّسلیمات علی أنبیاء اللہ أجمعین، أمّا بعد:

دینِ اسلام صرف زبانی باتوں کا نام ہے اور نہ ہی نِرے نظریات وافکار سے عبارت ہے، بلکہ ایک مکمل جامع، متوازن اور مناسب ضابطہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے مقرر فرمایا ہے، یہ ضابطہ حیات ایسا ہے جو اپنے حسین دامن میں عقائد و نظریات، اخلاق وعادات اور اعمال و کردار کا ایک پورا اور مکمل نظام رکھتا ہے، ان میں سے کوئی جزء بھی نہ ہو تو دینِ اسلام مکمل نہیں ہو سکتا۔

یوں تو اس دین کا ہر ہر حصہ بلکہ ہر ہر حکم اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے لیکن اخلاق کو اس میں خصوصی حیثیت حاصل ہے، تصوف وسلوک کا ایک بڑا مقصد اسی حصہ کی درستگی اور بہتری ہے، اخلاق کی اصلاح و تعمیر سے دین اسلام کی باقی تعلیمات وہدایات پر بھی دلی اطمینان کے ساتھ عمل کرنے اور انہی کی روشنی میں زندگی گزارنے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

اس شعبہ کی تعمیر و ترقی میں بزرگان دین کی صحبت کو جو کلیدی کردار اور مرکزی حیثیت حاصل ہے، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے، ان کے ملفوظات پڑھنا بھی ان کی "معنوی صحبت" کے مترادف ہے، یہ کتاب اسی صحبت کو عام کرنے کی ایک کوشش ہے۔

کتاب کی تیاری میں بڑی محنت کی گئی ہے، اصل مصادر سے ملفوظات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان مصادر میں سے بہت سے اقوال اور واقعات ایسے ہیں جو "شطحیات" کی قبیل سے ہیں، بعض ایسے بھی ہیں جن میں روایت کرنے والے یا جمع کرنے والے سے غلطی ہوئی اور اس غلطی کے نتیجے میں ان بزرگان کی جانب کوئی ایسا قول/واقعہ منسوب ہوگیا جو شرعی تعلیمات سے متصادم ہے، اس لئے ملفوظات کے انتخاب میں اپنی حد تک احتیاط سے کام لیا گیا، جہاں وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، وہاں بقدرِ ضرورت وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ملفوظات ذکر کرنے سے پہلے چاروں مشائخ کا مختصر تعارف اور ان کی بنیادی صفات وخصوصیات کو بھی اجاگر کیا گیاہے تاکہ اس ناکارہ کے سامنے بھی نمونہ عمل واضح ہو اور معزز قارئین کو بھی ان عملی نمونوں سے استفادہ کرنے میں آسانی پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ حقیر کی اس طالب علمانہ کام کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، وہ بہت ہی قدرداں اور نہایت ہی رحم وکرم والا ہے۔

ناکارہ عبید الرحمن

دار الافتاء والارشاد، مردان

۲۳ذی القعدۃ۴۵ھ

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی صاحب رحمہ اللہ

ولادت وابتدائی حالات

نام عبد القادر بن موسی ابن عبد اللہ ہے، کنیت ابو محمد ہے، لقب محی الدین ہے، "گیلان" شہر میں پیدا ہونے کی وجہ سے گیلانی، عربی میں جیلانی اور بعض اوقات جیلی بھی کہلائے جاتے ہیں۔ ۴۷۱ھ میں پیدا ہوئے، ۴۸۸ھ میں بغداد چلے گئے جو اس وقت علوم وفنون کا گہوارہ تھا، وہاں حصول علم میں مصروف ہوئے، سلوک وتصوف کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ چلتا رہا۔ 528ھ میں بغداد میں تدریس وافتاء کی خدمت شروع فرمائی۔ فروع میں آپ حنبلی مذہب کے مقلد اور اسی کے پابند تھے۔ متعدد سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کے انچاس بچے تھے جن میں سے ستائیس (۲۷) بیٹے اور باقی بیٹیاں تھیں۔ [1]

اساتذہ ومشائخ

آپ فقہی مذہب کے اعتبار سے حنبلی تھے، اپنے زمانہ میں حنابلہ کے چوٹی کے علماء وفضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جن میں امام ابو الوفاء بن عقیل، ابو الخطاب الکلوذانی، قاضی ابو الحسین ابی یعلیٰ اور شیخ مبارک مخرّمی وغیرہ جیسے فضلاء

---

[1] قال ابن النجار: سمعت عبد الرزاق بن الشيخ عبد القادر يقول: وَلَدَ والدي تسعًا وأربعين ولدًا، سبع وعشرون ذكور والباقي إناث. تسهيل السابلة لمريد معرفة الحنابلة، ج۲ص۶۱۲. وكذا فى تاريخ الإسلام للإمام الذّهبي، ت بشار، ج۱۲ص ۲۵۹.

شامل ہیں۔ سلوک و تصوف کی راہ میں شیخ حماد دبّاس کی صحبت اٹھائی اور اجازت شیخ ابی سعد المبارک مخزؔمی سے حاصل ہوئی۔

خصوصیات وعادات

امام ذہبی وغیرہ جن اہل علم نے آپ کی زندگی کے کچھ احوال وواقعات جمع فرمائے ہیں، ان کی تحریرات سے آپ کی درج ذیل خصوصیات نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہیں:

الف: حصولِ علم کے زمانے میں خوب مشقتیں اٹھاتے رہے، بڑی محنت اور تکلیف کے ساتھ دینی علوم وفنون حاصل کرتے رہے، اسی طرح سلوک وتصوف کا سفر بھی مجاہدات وریاضات سے بھرا ہوا تھا، لیکن حالات کی روِش اور زمانہ کے حوادث سے وہ بددل نہیں ہوئے بلکہ تمام تر مشکلات کو اعتدال کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

ب: ظاہری وباطنی علوم میں مہارت پیدا کرنے کے بعد جب امت کی خدمت اور لوگوں کی اصلاح وتربیت کے مرحلہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بھی بہت ہی استقامت کا ثبوت دیا، جو مدرسہ آپ کے حوالہ کردیا گیا تھا، اسی میں پوری زندگی گزاری ، مؤرخین کے مطابق وہاں سے جمعہ یا اس جیسے کسی خاص دن ہی نکلتے تھے۔ اس بات پر تو تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کو غیر معمولی طور پر عوام وخواص میں مقبولیت نصیب ہوئی تھی اور لوگوں کا بہت ہی رجوع ہونے لگا تھا، علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق خود آپ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک ایک مجلس میں ستّر ہزار افراد بھی استفادہ کرنے کے لئے جمع

ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کی زندگی کا بڑا حصہ اسی مدرسہ میں امت کی خدمت کرتے کرتے صرف ہوا۔ یہ استقامت کی عظیم مثال ہے۔

ج: آپ زندگی بھر ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے علوم کی خدمت کرتے رہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہنا مناسب ہے کہ حدیث وفقہ کا درس بھی آپ کا مشغلہ رہا ہے اور عملی طور پر مسلمانوں کی تربیت واصلاح بھی آپ کے خصوصی اہداف اور مرکزی مقاصد میں سے تھا۔

د: ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ معاشرے کے حالات سے بالکل غافل نہ رہے بلکہ اس سے کسی نہ کسی درجے میں واقفیت حاصل کرتے رہے، ساتھ اپنے مقبولِ عام وعظ و تقریر میں رائج منکرات معاصی پر نکیر کا سلسلہ بھی چلاتے رہے، معاشرے میں رواج پانے والے معاصی کی اصلاح کرتے رہے، بعض موقعوں پر نااہل لوگوں کو بڑے مناصب دینے پر بھی نکیر وانکار کرتے رہے۔

ہ: آپ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے اور برابر فکر مند رہتے تھے۔ یہ فکر مندی کس بات کی ہوتی تھی؟ اس کا یقینی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن خود آپ کی زندگی، اس کے اتار چڑھاؤ اور بعض اقوال وملفوظات سے مترشح ہوتا ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے متعلق موضوعات اس فکر مندی کا موضوع تھا اور ایک امت کی حالتِ زار، افرادِ امت کا طرح طرح کے گناہوں میں مصروف ومشغول ہونا اور دینی حدود وقیود کو پاؤں تلے روندنا اور پھر ان تمام افسوسناک رویوں کی اصلاح وازالہ آپ کی اس کی فکر و نظر کا خصوصی موضوع رہا ہے۔

و: آپ بڑے ہی مستجاب الدعاء بزرگ تھے، اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی نیک بندوں کی یہ خصوصی صفت بھی آپ میں اعلیٰ پیمانے پر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ جو شخص جو ضرورت و مشکل لے کر آتا، آپ اسی کے مطابق گفتگو فرماتے تھے، اس سے تمام حاضرین کی ضرورتیں خود بخود حل ہو جایا کرتی تھیں۔

ز: دیگر بزرگوں کی بنسبت آپ سے زیادہ کرامات ظاہر ہوئی ہیں، اس بات کا اظہار حضرت شیخ الاسلام علامہ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے اور علامہ ابن تیمیہ صاحب رحمہ اللہ، جو شاید بعض دینی مصالح کے پیش نظر اس باب میں کافی کچھ شدت سے کام لینے کے عادی ہے، نے بھی اس بات کا برملا اعتراف فرمایا ہے۔ کرامت گو تصوف و سلوک کے مقاصد میں سے بالکل نہیں ہے بلکہ سالک کے لئے ایک حد تک مضر ہے، تاہم کسی کے ہاتھ پر اس کا ظاہر ہونا نیک بختی کی علامت ہے جو موجبِ شکر ہے۔ تاہم آپ کے نام پر عرب و عجم میں بہت سے لوگوں نے بہت خلاف شرع و عقل باتیں بھی منسوب کیں ہیں، لہٰذا مستند ذرائع سے جب تک کوئی چیز ثابت نہ ہو، تب تک اس پر یقین رکھنا مناسب نہیں ہے۔

تلامذہ و خلفاء

آپ تصوف و سلوک کی تعلیم و تلقین کے ساتھ تفسیر، حدیث اور فقہ کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے، اپنے شیخ مخرّمی کے مدرسہ کو نئے سرے سے آباد کیا، ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے اس کی تعمیر فرمائی، لوگوں کا بہت رجوع ہونے لگا، اور آپ مرتے دم تک اسی مدرسہ میں تدریس و تعلیم میں مشغول رہے۔ اپنے زمانے کے سینکڑوں اہل علم نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جن میں حافظ عبدالغنی، عمر بن علی

القرشی، علی ابن ادریس یعقوبی، موفّق بن قدامہ اور ابو سعد سمعانی جیسے فضلاء روزگار شامل ہیں، یوں ہی بڑے بڑے مشائخ نے آپ کے زیر نگرانی سلوک و تصوف کے مراحل طے کرکے اجازت وخلافت حاصل کیں۔ بغداد کی آبادی کے ایک بڑے حصہ نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کیا، اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا، اور بہت سے یہود و نصاریٰ نے بھی آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

علمی مآثر

آپ نے درس وتدریس ، وعظ ودعوت اور خانقاہی تربیت و تلقین کے ساتھ ساتھ مختلف کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے چند اہم کتابیں یہ ہیں:

الف: غنیۃ الطالبین۔ یہ کتاب اس نام سے مشہور ہے، اصل نام "الغنیۃ لطالبی طریق الحق" ہے، اختصار کے لئے غنیۃ الطالبین کہا جانے لگا۔ اس کتاب میں فقہی احکام ومسائل بھی ہیں، آداب واخلاق کا ذکر بھی ہے اور بعض کلامی مباحث بھی ہیں۔

ب: الفتح الربّانی۔ یہ آپ کی بہت مفید اور گراں قدر کتاب ہے، اس میں آپ کے باسٹھ (۶۲) مجالس کو محفوظ کیا گیا ہے جن میں اعمال واخلاق، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی مختلف کیفیات وغیرہ کے متعلق بڑی پُر مغز گفتگو فرمائی گئی ہے۔ اس سے آپ کے دینی درد، معاشرے کے حالات سے واقفیت اور لوگوں کے اخلاق و نظریات کے اصلاح کی غیر معمولی تڑپ جھلکتا ہے۔

ج: فتوح الغیب

د: تحفۃ المتقین و سبیل العارفین

وفات

آپ ہفتہ کی رات ۱۰ ربیع الاول پانچ سو اکسٹھ کو اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، آپ کے بیٹے شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظات

۱۔فرمایا: جو لوگ (رضائے)الٰہی کے لئے دکھ تکلیفیں برداشت کرتے ہیں، تو اس سے تو کوئی بھی چیز ڈھکی چھپی نہیں ،وہ سب کچھ جانتا ہے۔بندے نے جب کئی سال اس کی مہربانیاں اور لطف و کرم دیکھے ہیں، تو اگر مصیبت آجائے تو اس گھڑی کی تکلیف پر صبر کرنا چاہئے،اس ایک گھڑی کا صبر اعلیٰ درجے کی بہادری ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:"ان اللہ مع الصابرین "بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کی مدد اور نصرت ہمیشہ شامل حال ہے۔ مصیبتوں کے ساتھ ساتھ صبر کرو۔اللہ کے لئے خبر دار و ہوشیار ہو جاؤ اور اس سے غفلت میں نہ رہو،اور تمہاری یہ خبرداری و ہوشیاری موت کے بعد نہ ہو ،کیونکہ اس وقت یہ خبرداری و ہوشیاری تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیتی ،اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات ہونے سے پہلے ہی ہوشیار ہو جاؤ۔

۲۔فرمایا:اس سے پہلے کہ تمہیں تمہارے ارادے کے بغیر بیدار کیا جائے (از خود بیدار ہو جاؤ) تو تمہیں اس وقت شرمندگی ہوگی ، ایسے وقت میں تمہارا شرمندہ ہونا کچھ فائدہ نہیں دے گا ،اور اپنی دلوں کی اصلاح کرو کیونکہ دلوں کی اصلاح اور درستی سے تمہاری سب حالتیں درست ہو جائیں گی ،اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"في ابن آدم مضغة إذا صلحت صلح سائر جسده وإذا فسدت فسد سائر جسده الا وھی القلب"

ترجمہ: انسان کے بدن میں گاشت کا ایک ٹکڑا ہے جب یہ تندست ہو جائے تو سارا بدن تندرست رہتا ہے، اور جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو سارا بدن بیمار ہو جاتا ہے خبر دار گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔

اور دل کی اصلاح پرہیز گاری، اور اللہ تعالیٰ پر توکل، اور اس کی وحدانیت کے اقرار، اور اعمال میں اخلاص کی وجہ سے ہوتی ہے، اور ان سب کے نہ ہونے سے دل کا معاملہ بگڑ جاتا ہے۔

۳۔ فرمایا: اے میری قوم: اللہ ہی کے ہو رہو، جیسے کہ نیک بندے اسی کے ہو کر رہے ہیں، یہاں تک کہ تم پر بھی وہی انعام ہو جو ان پر ہوا (یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ویسا ہی ہو جائے جیسا کہ ان کے لئے ہو گیا تھا) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارا ہو رہے، تو تم اس کی طاعت میں لگے رہو اور کوئی مصیبت آنے پر صبر کرو، اور اپنے اور اپنے غیر کے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہو، ایک جماعت نے دنیا کو ترک کیا اور پرہیز گاری اور تقوی سے دنیا میں طرح طرح کے فائدہ اٹھائے، پھر آخرت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی طلب کے لئے عمل کئے، اپنے نفسوں کی نافرمانی کی اور اپنے رب کی فرمانبرداری کی، اور پہلے اپنے نفسوں کو نصیحت کی، پھر اوروں کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔

۴۔ فرمایا: اے بیٹا: پہلے اپنی حالت درست کرو، پھر دوسرے کی طرف دھیان دو، تمہیں چاہئے کہ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرو، اس سے پہلے دوسرں کو

وعظ و نصیحت نہ کرو اس لئے کہ تیرے پاس کوئی ایسی شے باقی نہ ہو جس کے باعث خود تجھے ابھی اصلاح کی ضرورت وحاجت ہے۔افسوس ہے تجھ پر کہ تو خود بینائی سے محروم ہے،اوروں کو کیا راہ دکھائے گا؟،دوسرں کی رہبری کیسے کرے گا؟راہ دکھانا تو بینائی والے کا کام ہے،دریا میں ڈوبنے والے کو وہی بچا سکتا ہے جو خود اچھی طرح سے تیرنا جانتا ہو۔

۵۔فرمایا:اے بیٹا تو اپنے لئے پرہیزگاری اور شریعت کی پابندی کو لازم سمجھ،نفس،حرص،شیطان اور بدوں کی صحبت سے بچتا رہ،ان کے جہاد میں صاحب ایمان اپنے سر سے خود نہیں اترتا،اپنی تلوار کو بے نیام رکھتا ہے،نہ زین اتار کر اپنے گھوڑے کی پشت برہنہ کرتا ہے،زین پر ہی خواب کی مانند نیند کرتا ہے،زین پر ہی خواب کی مانند نیند کرتا ہے۔

تو اولیاءاللہ کی طرح ہے کہ جن کا بعام فاقہ ہے،ان کا بولنا کلام کرنا ضرورت کے وقت ہے،خاموش رہنا ان کی عادت ہے،اللہ کے امر سے بات کرتے ہیں،ایسا کرنا ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے،دنیا میں اہل اللہ اسی کے لئے لب کھولتے ہیں،دنیا میں ان کا بولنا اس طرح ہے جس طرح قیامت کے دن سب اعضاءاللہ کے حکم سے بات کریں گے،اللہ ان میں قوت کلام پیدا کرے گا،جس نے کہ ہر ایک بولنے والے کو قوت گویائی عطا فرمائی ہے،انہیں اس طرح بلاتا ہے جیسے وہ جماد کو گویا کر دیتا ہے،ان کے لئے گویائی کے اسباب مہیا کر دیتا ہے،اور پھر وہ بولنے لگتے ہیں۔

٦۔فرمایا:دنیا کا بدلہ آخرت ہے اور مخلوق کا بدلہ خالق ہے،جو کچھ تم دنیا میں چھوڑو گے اس کا بدلہ اور اس سے بہتر آخرت میں پاؤ گے۔(سوچو)اگر تمہاری

زندگی کا ایک ہی دن باقی ہے تو آخرت کی تیاری کر اور موت کے فرشتے کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جا۔ دنیا لوگوں کے لئے کچھ ہی دیر میں ختم ہونے والی ہے جبکہ آخرت ان کے آباد ہونے کا مقام ہے۔ جب غیرت الٰہی جوش میں آتی ہے تو ان کے اور آخرت کے بیچ میں حائل ہو جاتی ہے۔ یہاں تکوین کو آخرت کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے، آخرت کی جگہ خاص نعمتیں ملے ہیں تو انہیں نہ دنیا کی طلب رہتی ہے اور نہ آخرت کی حاجت رہتی ہے۔

اے جھوٹے دنیا کے طلب کرنے والے: نعمت کی حالت میں تو اللہ سے محبت کا دعوی کرتا ہے، اور جب اس کی طرف سے کوئی پریشانی آتی ہے تو اس طرح بھاگتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ سے تجھے محبت ہی نہ تھی! بندے کی اصلیت آزمائش کے وقت کھلتی ہے، اللہ کی طرف سے مصیبت آنے پر اگر تم نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تو تم واقعی اس سے محبت کرنے والے ہو، اور اگر مصیبت میں گھبرا گئے تو پہلے کا کیا کرایا بیکار جائے گا اور ساتھ ہی تمہارا جھوٹا دعوی ظاہر ہو جائے گا۔

۷۔ فرمایا: بیٹا: تم دنیا میں ہمیشہ کی زندگی اور خواہشیں پوری کرنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے، اللہ تعالیٰ کے جن ناپسندیدہ کاموں میں تو مبتلا ہے، انہیں چھوڑ دے، بدل دے۔ تم نے صرف لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان سے پڑھ کر یہ سمجھ لیا کہ عبادت الٰہی سے بری الذمہ ہو گئے، ایسا کرنا تجھے کچھ نفع نہ دے گا، جب تک کہ تم اس کے ساتھ کوئی اور چیزیں نہ ملاؤ گے، ایمان قول اور عمل دونوں کا نام ہے، گناہ کرتے جانا اور نافرمانی میں مبتلا رہنا اللہ کی مخالفت میں لگے رہنا، ان سارے کاموں پر اصرار بھی کرنا، اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دینا، روزہ رکھنا ترک

کردینا، صدقہ اور نیکی کے کام نہ کرنا، ایسے میں صرف کلمہ شریف پڑھ کر ایمان کا دعوی کرنا قبول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی تمہیں کچھ نفع دے گا۔

۸۔ فرمایا: عمل کے بغیر کلمہ شہادت تجھے کیا نفع دے گا؟ جب تم لاالہ الا اللہ کہہ کر توحید کے مدعی بن گئے، تو تم سے تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہ طلب کئے جائیں گے، تمہیں علم ہے کہ وہ گواہ کیا ہیں اور کون ہیں؟ احکام الہی کا بجالانا، اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا، آفتوں پر صبر کرنا اور تقدیر الہی کو تسلیم کرلینا تمہارے دعوی توحید کے یہی گواہ ہیں۔ (اور جب تم ان اعمال پر کاربند ہو جاؤ گے تو) اخلاص ربانی کے بغیر کوئی بھی عمل قابل قبول نہ ہوگا، اس کی بارگاہ میں کوئی قول عمل کے بغیر اور کوئی عمل اخلاص اور اتباع شریعت کے بغیر مقبول نہیں ہے۔ اپنے مال سے فقیروں کے دکھ بانٹو، اپنی استطاعت اور قدرت کے مطابق تھوڑی بہت جو مدد ہو سکے کرتے رہو، ان کے سوال کو رد کر کے انہیں خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔

۹۔ فرمایا: شکر کے ساتھ اس کی نعمتوں کی حفاظت کرو، کرنے اور رکنے کے حکم کا سننے اور ماننے سے مقابلہ کرو، اس کی سختی اور تنگی کو صبر کے ساتھ اور کشادگی اور وسعت کو شکر سے مقابلہ کرو، تم سے پہلے جو نبی اور رسول، صالحین وعابدین گزر چکے ہیں، ان کا بھی اس پر عمل تھا، وہ نعمتوں کی شکر اور مصیبتوں پر صبر کیا کرتے تھے، تم اس کی نافرمانی اور گناہوں کے خوانوں سے الگ ہو جاؤ، اور اس کی اطاعت اور تابعداری کے خوانوں سے کھاؤ، اللہ کی حدود کی حفاظت کرو، نری و آسانی آئیں تو شکر کرو۔

۱۰۔فرمایا: جب تنگی آئے تو تو اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور اپنے نفس سے جھگڑا کرو، کیونکہ اللہ کسی حالت میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، موت اور اس کے بعد آنے والے حالات کو یاد کرو، تمہارے ساتھ اللہ کا جو حساب اور مہربانیاں ہیں ،انہیں یاد رکھو، یہ غفلت کی نیند کب تک سوتے رہوگے! نادانی وجہالت، نفس کی بے ہودگی، حرص میں قائم رہنے کی عادت کب تک رہے گی! اللہ کی عبادت اور شریعت کی پابندی میں ادب کو مد نظر کیوں نہیں رکھتے، عادت کو ترک کر دینا ہی عبادت ہے، قرآن وحدیث کے احکام سے سبق کیوں نہیں سیکھتے، اس کے مطابق کیوں نہیں چلتے۔

۱۱۔فرمایا: یہ تو رخصت کا زمانہ ہے، عزائم کا زمانہ گیا، یہ دکھاوے (ریا)، نفاقً اور ناحق مال چھین لینے کا دور ہے۔ایسے لوگ بہت ہیں کہ نماز روزہ، حج اور زکوۃ، اور نیکی کے سب کام لوگوں کے (دکھاوے) کے لئے کرتے ہیں، اپنے خالق ومالک کے لئے نہیں کرتے۔

آج کل لوگوں کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ مخلوق کی خوشی کو مقدم رکھیں، مخلوق کو راضی رکھیں، اس میں خالق اور اس کی منشاء ورضامندی کا مطلق خیال نہ کریں، اس لئے تم سب کے دل مردہ ہو چکے ہیں، نفس اپنے خواہشوں اور طلب دنیا کے ساتھ زندہ ہیں، زندگی وزندہ دلی یہ ہے کہ مخلوق سے کٹ کر خالق کے ساتھ جڑا جائے، خالق کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے، کیوں کہ اس مقام پر ظاہری صورت کا اعتبار ہی نہیں، دل کی زندگی تو یہ ہے کہ احکام الٰہی بجالائے، نہی سے باز رہے اور بلاؤں، حادثوں پر صبر کرکے اور تقدیر کے امور میں سر تسلیم خم کرے۔

۱۲۔ فرمایا: اے بیٹا! تقدیر کے امور پر راضی برضا ہو کر خود کو اللہ کے سپرد کر دے، پھر تو استقامت اختیار کر، ہر کام کے لئے پہلے بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے، پھر اس پر عمارت کی، رات اور دن کی تمام گھڑیوں میں اس پر ثابت قدم رہنا اور ہمیشگی کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ تو لاپرواہ ہے، اپنے ہر کام میں غور فکر کیا کر، ہر معاملے میں فکر کرنا تو دل کا کام ہے، جب تو اس میں اپنے لئے بہتری پائے، تو اللہ کا شکر ادا کر، اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرنا لازم ہے، اور جب تو اس میں اپنے لئے برائی دیکھے تو اس پر توبہ کر لے، اس غور فکر سے تمہارا دین زندہ ہو گا اور شیطان کی موت ہو گی، اسی لئے فرمایا ہے کہ "ایک گھڑی کا فکر ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے" اے محمد ﷺ کی امتیو! تم اللہ کا شکر ادا کرو، کیونکہ اس نے تم سے پہلے گزر جانے والی امتوں کے زیادہ اعمال کی نسبت تمہارے تھوڑے عمل کو بھی قبول فرمایا ہے، تم دنیا میں سب سے بعد میں آئے ہو جبکہ اللہ کی رحمت سے قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، تم میں سے جو شخص صحیح و تندرست ہے، اس جیسا (کسی امت کا) اور کوئی صحیح نہیں ہے، تم امتوں کے سردار اور امیر ہو جبکہ وہ تمہارے رعایا ہیں۔ جب تک تو لوگوں سے اس کی نعمتوں میں جھگڑا کرتا رہے گا، اور اپنے دکھاوے اور نفاق سے ان سے فائدہ اٹھاتا رہے گا تو تندرست نہ ہو گا، اپنے نفس اور حرص و طمع میں گھرا رہے گا، صحیح نہ ہو گا، جب تک دنیا میں رغبت کرنے والا ہے، تیرے لئے (روحانی طور پر) تندرستی و صحت نہیں ہے، جب تک تیرا دل ماسوا اللہ پر بھروسہ کرنے والا رہے گا، تجھے اللہ پر سچا اعتماد نہ ہو گا، اور پھر تجھے صحت و تندرستی نہ ہو گی۔

۱۳۔ فرمایا: اللہ سے کسی خاص چیز کی پسند کا اظہار کر کے اپنی خود مختاری نہ جتا، اور نہ اپنے جبر کا اظہار کر، ورنہ بھاری شدید نقصان اٹھائے گا۔ اپنی جوانی اور طاقت اور مال سے ذات الٰہی اور اس کی مخلوق پر اترامت، کیونکہ اس کی پکڑ بڑی سخت ہے، دوسروں کی طرح تمہیں بھی اپنی گرفت میں لے لے گا، اس کی گرفت بڑی مصیبت میں ڈالنے والی ہے۔ افسوس تجھ پر کہ تم صرف زبان سے مسلمان ہو، دل سے مسلمان نہیں، باتیں مسلمانوں والی ہیں، کام مسلمانوں والے نہیں، محفلوں میں، مجلسوں میں تو مسلمان ہے، لیکن اکیلے میں تو اس کے برعکس ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب تو نماز پڑھے گا اور روزہ رکھے گا اور نیکی کے اور کام کرے گا، اگر یہ سب کچھ خالص اللہ کے لئے نہیں تو تم پکے منافق ہو، اور اللہ کی رحمت سے بہت دور ہو، اب بھی (وقت ہے کہ) تو بارگاہ الٰہی میں اپنے تمام عملوں، باتوں اور گندے مقاصد سے توبہ کر لے۔

۱۴۔ فرمایا: اے لوگو! حرص نہ کرو، تم تو سراپا حرص بن رہے ہو، یہ علم بغیر عمل کے نفع نہیں دیتا، تمہیں اشد ضرورت ہے کہ یہ سیاہی جو سپیدی پر ہے (قرآن مجید) اس پر عمل کرو، احکام الٰہی پر متواتر دن اور سال عمل کرتے رہو تاکہ اس کا نیک اجر تمہارے ہاتھ لگ سکے۔

اے بیٹا! تیرا علم تجھے پکارتا ہے کہ اگر تو مجھ پر عمل نہ کرے گا تو میں (تیرے خلاف نقصان دہ دلیل) حجت ہوں، اگر مجھ پر عمل کرو گے تو میں تیرے موافق حجت ہوں، رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ: "علم عمل کو آواز دیتا ہے، اگر عمل سن لے تو بہتر ورنہ علم چل دیتا ہے، اس کی برکت اٹھ جاتی ہے، عالم کی

محنت (دھری) رہ جاتی ہے، تیرے علم کا اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کا حق چلا جاتا ہے، حاجت اور ضرورت کے وقت اس کا تیرے پاس آنا موقوف ہو جاتا ہے، یعنی علم کا مغز رخصت ہو جاتا ہے اور اس کا چھلکا باقی رہ جاتا ہے، اس لئے علم کا مغز جو ہر عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وتابعداری اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس پر عمل کیا جائے۔

۱۵۔ فرمایا: کلام الٰہی سننے کے شغل کے باعث خلقت کا کلام نہیں سنتے، وہ (اولیاء کرام) ایک میدان میں ہیں اور مخلوق دوسرے میدان میں، مخلوق کو احکام الٰہی سناتے ہیں، اور جن باتوں سے اللہ نے روکا ہے ان سے روکتے ہیں، وہ نبی ﷺ کے نائب اور حقیقی وارث ہیں، ان کا کام مخلوق کو دروازے حق پر پہنچانا ہے، اور ان پر اللہ کی حجت کو قائم کرنا ہے، سب چیزیں اپنے اپنے مقام پر رکھتے ہیں، ہر صاحب فضل کو اس کے حصے کا فضل دیتے ہیں، وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتے، اپنی طبیعتوں اور نفسانی خواہشوں کی پیروی نہیں کرتے، اللہ ہی کے لئے محبت کرتے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے نفرت کرتے ہیں، ان کا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہیں، کسی غیر کا ان میں کچھ عمل دخل نہیں، جس کا مکمل طور پر یہ حال ہو جائے تو اس پر کمال محبت ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے نجات اور کامیابی حاصل ہوتی ہیں، اور تمام انسان، جن اور فرشتے، زمین وآسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اے منافق! مخلوق واسباب کے بندے! اے رب تعالیٰ کو بھول جانے والے!! تم چاہتے ہو کہ اللہ نے جو مقام و مرتبہ اپنے اولیاء کرام کو دیا ہے، وہ تجھے بھی مل جائے، جبکہ تم بد خصائل میں مبتلا ہو، اللہ کے دربار میں تمہاری کوئی عزت نہیں

تمہاری کوئی قدر نہیں، پہلے مسلمان بنو پھر توبہ کرو، پھر علم پڑھو اور عمل کرو، اخلاص پیدا کرو ورنہ تجھے ہدایت نصیب نہ ہو گی۔

۱۶۔ فرمایا: تم پر افسوس ہے، مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں، سوائے اس بات کے کہ، میں تجھ سے حق بات کہتا ہوں، اور اللہ کے دین کی تعمیل میں تم سے نہیں ڈرتا، میں نے مشائخ عظام کے کلام کی سختی اور سفر و فقر کی مشقت میں پرورش پائی ہے، جب میں تمہیں مخاطب کر کے کوئی کلام کروں تو اللہ کی طرف سے سمجھو، اس لئے کہ اسی نے مجھ سے کہلوایا ہے، جب تم میرے پاس آؤ تو اپنے آپ سے اور اپنے نفس سے اپنی خواہشوں سے خالی ہو کر آؤ، اگر تیرے دل کی آنکھیں ہوتیں تو تو مجھے ان سب چیزوں سے خالی دیکھتا، مگر تیری الٹی سمجھ تیرے لئے خرابی کا باعث ہے۔

۱۷۔ فرمایا: بروں کی دوستی چھوڑ دے، تجھ میں اور ان میں جو تعلق ہے اسے توڑ دے، اور نیکوں کے ساتھ ناطہ جوڑ لے، اگر بروں میں اپنا کوئی قریبی ہو تو اس سے بھی الگ ہو جا، اگر کوئی دور والا نیکوں کے ساتھ ناطہ جوڑے، اگر بروں میں اپنا کوئی قریبی ہو تو اس سے بھی الگ ہو جاؤ، اگر کوئی دور والا نیکوں میں سے ہو تو اس سے واسطہ بنا لے، جس سے تم محبت کرو گے، اس کے اور تمہارے بیچ قرابت ہو جائے گی، جس سے تو دوستی کرنا چاہتا ہے اسے آزما لے، پرکھ لے۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ "قرابت کیا چیز ہے؟" فرمایا "محبت" جو چیز تیرے نصیب میں نہیں، دونوں کی طلب چھوڑ دے، نصیب کی آرزو کرنا بے فائدہ اور بے کار ہے، اور جو چیز نصیب میں نہیں، اس کی تمنا کرنا جان کا عذاب اور رسوائی ہے، اسی لئے رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بندے کا ایسی چیز طلب کرنا جو اس کی قسمت میں نہیں لکھی گئی ہے، یہ بھی اللہ کے عذابوں میں سے ایک ہے۔"

۱۸۔ فرمایا: اے بیٹا! مخلوق سے خالق کا شکوہ نہ کر، بلکہ اسی سے کر کہ وہی قدرت رکھتا ہے، اس کے سوا کسی دوسرے کو قدرت نہیں، مصیبتوں، بیماریوں اور صدقہ خیرات کا چھپانا اچھائیوں کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اپنے دائیں ہاتھ جب صدقہ خیرات کرو تو اس بات کا خیال رہے کہ اس کا بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو، دنیا کے سمندر سے بچ کر رہو، کیونکہ اس میں بہت سی خلقت ڈوب چکی ہے، توحید والوں کے سوا کوئی نجات نہیں پاسکا، وہ بہت گہرا سمندر ہے، وہ ہر ایک کو ڈوبو دیتا ہے، سوائے اس امر کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دنیا کے سمندر سے نجات عطا فرمادے، جیسا کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا، کیونکہ سب کو دوزخ کے اوپر سے گزرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا نجات عطا فرمائے گا۔

۱۹۔ فرمایا: اے بیٹا! تو دنیا کی طلب میں ایسا نہ بن جا جیسے کوئی رات کے اندھیرے میں لکڑیاں جمع کرنے والا ہوتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اندھیرے میں اس کا ہاتھ کہاں جا پڑے اور اس کے ہاتھ کیا لگ جائے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنے دھندے میں رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہے، رات بھی اندھیری ہے، چاند نہیں، اور لکڑیاں جمع کرنے والے کے پاس روشنی بھی نہیں، وہ ایسے ریگستان میں ہے جہاں گھنی جھاڑیاں ہیں اور مار دینے والے موذی جانور بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی موذی (سانپ یا بچھو) اسے ڈس لے (اندھیرے میں ممکن ہے کہ لکڑی کے

دھوکے میں سانپ پر ہاتھ ڈال دے)، تجھے چاہئے کہ لکڑیاں دن کو جمع کرے (یعنی غفلت چھوڑ کر ہوشیاری سے کام کر) کیونکہ آفتاب کی روشنی تجھے ایذادینے والی چیزوں پر ہاتھ ڈالنے سے بچائے رکھے گی، دنیا کے دھندوں میں آفتاب توحید و شرع اور تقوی کے ساتھ چل، یہ آفتاب تجھے نفس کی خواہشوں، حرص و شیطان اور غیر کے جال میں پھنسنے سے بچاتا رہے گا، اور دنیا کی سیر میں جلد بازی کرنے سے تجھے روکے گا۔

۲۰۔ فرمایا: اے بیٹا! کاہلی و سستی نہ کر، کیونکہ کاہل ہمیشہ محروم رہتا ہے، اور ندامت اس کے گلے کا ہار بن جاتی ہے، تو اپنے عملوں کو اچھا بنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں تیرے لئے اچھائی کی ہے۔

۲۱۔ فرمایا: اے بیٹا! تو دعا ایک کا تسلسل قائم کر دے، اور اللہ کی رضا کی طرف متوجہ ہو، اگر دل کو کوئی اعتراض ہو تو زبان سے دعا نہ مانگ، زبان و دل دونوں کو یکسو کر کے دعا مانگ، دنیا میں انسان نے جو بھلائی یا برائی کی ہے، قیامت کے دن یاد آئے گی، اس وقت شرمندہ ہونا کچھ فائدہ نہ دے گا، اور اسے یاد کرنا بیکار جائے گا، عزت تو تب ہے کہ مرنے سے پہلے سب کیا کرایا یاد کرو، فصل کی کٹائی میں لگے لوگوں کو دیکھ کر کھیتی باڑی اور بوائی کی فکر فضول ہے۔

۲۲۔ فرمایا: اے بیٹا! بروں کی صحبت تمہیں نیکوں سے بدگمان کرے گی، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے سائے تلے چل کر ہی نجات مل سکتی ہے۔ اے لوگوں اللہ سے ایسی حیا کرو جیسا کہ اس سے حیاء کرنے کا حق ہے، چند روزہ زندگی کو غفلت سے ضائع نہ کرو، تم ایسی چیزیں جمع کرنے میں لگے ہو جنہیں کھا نہیں

سکتے ،ایسی تعمیریں کرر ہے ہو جن میں رہ نہیں سکتے ،رضائے الٰہی کے مقام سے یہ سب کچھ تمہارے لئے حجاب ہے،اللہ کے ذکر کرنے عارفوں کے دلوں کواپنے دائرہ اثر میں لے رکھاہے،اور ماسوائے ذکر کو بھلائے دیتاہے۔یہ مرتبہ پانے پر جنت میں ٹھکانہ پایا،جنتیں بھی دو ہے،ایک نقد دوسرا ادھار (یعنی جنت موعودہ) نقدی جنت دنیامیں ہے یعنی راضی برضا رہنا،دل کا اللہ سے قریب ہونا،اور اس سے سرگوشی کرتے رہنا،دل اور ذات الٰہی کے درمیان سے پردوں کا اٹھ جانا،ایسے دل والے کو تنہائی میں بلاکیف وتشبیہ کے ذات الٰہی کاساتھ رہتاہے،

}لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ { [الشوری: ۱۱]

"اس کی مثل کوئی چیز نہیں،وہ سننے والااور دیکھنے والا ہے"

۲۳۔فرمایا: جنت موعودہ وہ ہے کہ جس کااللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے وعدہ فرمایاہے، جس میں بغیر کسی حجاب کے اللہ کادیدار ہوگا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر خیر اللہ کی طرف سے ہے،اور ہر غیر اللہ کی طرف سے ہے،اللہ کی طرف رخ کرنے میں خیر ہے ،اور اس سے رخ موڑنے میں شر ہے ، جس عمل پر بدلے کی طلب ہو،وہ عمل تیرے لئے ہے،اور جس عمل سے اللہ کی رضا مقصود ہو وہ عمل اللہ کے لئے ہے، عمل کابدلہ چاہوگے توبدلے میں مخلوق ملے گی۔

۲۴۔فرمایا: کہ تنگی اور ترشی ،امیری،اور غریبی، سختی اور نرمی، بیماری اور تندرستی ،نیکی اور بدی،ملنے اور نہ ملنے ہرحال میں تقدیر الٰہی کی موافقت پکڑو، میرے خیال میں سر تسلیم خم کرنے اور اس کی رضامیں راضی رہنے سے بڑھ کر اور کوئی دوانہیں۔

۲۵۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا حکم دے، اس سے وحشت نہ دکھاؤ ، یعنی اس سے گھبراؤ نہیں اور نہ ہی اس میں جھگڑا کرو، اس کا گلہ یا شکایت غیر کو نہ کر، غیر سے شکوہ کرنے پر مصیبت اور بڑھ جائے گی، بہتر یہی ہے کہ خاموشی اور سکون اختیار کرو اور گمنامی میں رہو، اس کے سامنے ثابت قدم رہو، اور جو کچھ وہ تمہارے ساتھ اور تمہارے معاملات میں کرے، دیکھتے رہو اور اس سے بخوشی دیکھتے جاؤ، اس کے تصرفات (تغیر و تبدل) پر خوشی کا اظہار کرو، اگر تم اس کے اسی طرح پیش آؤگے تو وہ وحشت کو انسیت سے اور رنج کو خوشی سے ضرور بدل دے گا، (اس لئے کہ رنج اور کلفت میں ہی انعام ہے، اور پھر جو کچھ محبوب کی طرف سے آئے اس میں سراسر خوشی ہی خوشی ہے، ہم اس کے حضور میں یہی دعا کرتے ہیں کہ:) "یاالٰہی! تو اپنی حضوری میں ہمیں اپنے ساتھ رکھ"

۲۶۔ فرمایا: اے لوگوں جب تم مجلس ذکر میں آتے ہو تو تمہارا آنے کا مقصد محض سیر و تفریح ہوتا ہے، تم علاج کے ارادے سے حاضر نہیں ہوتے، اور واعظ کے نصائح پر کوئی دھیان نہیں دیتے، بلکہ اس کی بھول، خطا اور لغزش پر نظر رکھتے ہو، اور اس کی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہو، سر ہلا ہلا کر اللہ کے ساتھ جوا کھیلتے ہو، ایسا کر کے خطرات میں پڑتے ہو، سچے دل سے سر کو نہیں ہلاتے، ان حرکتوں سے توبہ کرو، اللہ کے دشمنوں سے مشابہت اختیار نہ کرو، اور جو کچھ سنو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور نصیحت پر عمل کرو۔

۲۷۔ فرمایا: اے بیٹا! تو عادت کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے، تو رزق طلب کرنے میں اور سبب پر تکیہ کر کے پابند ہو گیا ہے، اور سبب پیدا کرنے والے کو اور اس پر

توکل کرنے کو بھول بیٹھے ہو،اس لئے تو نئے سرے سے عمل کر،اور عمل کو اخلاص کے ساتھ کر،ارشادی باری تعالیٰ ہے:

"وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون"

ترجمہ "میں نے جن اور انسان کو صرف اپنے عبادت کے لئے پیدا کیا ہے،"

انہیں ہوس اور کھیل کود،اور کھانے پینے، سونے اور نکاح کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا۔اے غافلوں! غفلتیں چھوڑ دو، جاگ جاؤ، تمہارا دل اگر اس کی طرف ایک قدم چلتا ہے، تو اس کی محبت کئی قدم بڑھتی ہے، وہ اپنی محبت والوں سے ملاقات کا ان سے بھی زیادہ شوق رکھتا ہے۔

۲۸۔فرمایا:اے بیٹا! اس سے پہلے کہ تجھے مجبور ہو کر جاگنا پڑے، جاگ جاؤ، ہوشیار ہو جاؤ،دین دار بن جا،اور اہل دین سے میل جول رکھ،اہل دین ہی (حقیقت میں)انسان (کہلانے کے حق دار)ہیں،لوگوں میں عقل والا وہی ہے جو اللہ کے حکموں کو مانے،(فرمانبرداری کرے)،اور سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو اس کے حکموں کو نہ مانے۔

۲۹۔فرمایا: تیرے لئے افسوس کی بات یہ ہے کہ تو مخلوق کی خوشنودی کے لئے عمل کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ خالق کے ہاں شرف قبولیت کا درجہ پا جائے، یہ تو محض حرص وہوس ہے،(تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ)تو فرحت وسرور اور فخر وغرور اور ہوس کو چھوڑ دے،خوشی کو کم کر دے،اور غم کو زیادہ کرے،اس لئے کہ تو غم کدے اور قید خانے میں رہ رہا ہے۔

۳۰۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی کو دیکھو، آپ ہمیشہ فکر مند رہتے تھے، بالعموم غمگیں زیادہ رہتے تھے، خوشی تھوڑی کرتے، ہنستے کم، کبھی کبھی تبسم فرماتے تھے، وہ بھی دوسروں کا دل خوش کرنے کے لئے ہوتا تھا، آپ کا قلب اطہر غموں اور شغلوں میں سے پر تھا، اگر صحابہ کرام کی محبت اور دنیا کے معاملات نہ ہوتے تو آپ حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہ لاتے اور نہ کسی کے پاس بیٹھتے۔

۳۱۔ فرمایا: اے بیٹا! جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیری خلوت صحیح ہو جائے گی تو تیرا باطن مدہوش ہو جائے گا، دل کی صفائی ہو جائے گی، تیری نظر سراپا عبرت بن جائے گی، تیرا دل مجسم فکر ہو جائے گا، تیری روح اور باطن اللہ تعالیٰ سے واصل ہو جائیں گے، دنیا کی فکر تو حجاب بھی ہے اور عذاب بھی، آخرت کی فکر علم بھی ہے اور دل کی زندگی بھی، اور جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فکر نصیب ہوا اسے دنیا و آخرت کے احوال کا علم عطا فرما دیا جاتا ہے۔

۳۲۔ فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے سچا خیر خواہ ہے، اسے نصیحت کرتا ہے، جو کچھ اسے معلوم نہیں اس کے بارے میں اسے بتلاتا ہے، اس کی خوبیاں اور خامیاں الگ الگ کر دیتا ہے، اسے نفع دینے والی اور نقصان دینے والی باتوں کی خبر دیتا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے میرے دل میں خلقت کی خیر خواہی ڈال دی ہے، اور اسے میرا سب سے بڑا مقصد بنا دیا ہے۔ یقینی طور پر میں ایک نصیحت کرنے والا ہوں، اور خیر خواہی کا صلہ نہیں چاہتا، میرا صلہ تو اللہ کے ہاں ہے، جو مجھے مل چکا ہے، مجھے دنیا کی کوئی طلب نہیں، مجھے آخرت کی کوئی تمنا نہیں، میں ماسوی اللہ

کی بندگی نہیں کرتا، میں تو اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا جو کہ خالق ہے، یکتا ہے، یگانہ ہے، قدیم ہے۔ تمہاری فلاح و نجات میں میری خوشی ہے، اور تمہاری تباہی و بربادی میں میرے لئے دکھ اور غم کا باعث ہے۔

۳۳۔ فرمایا: میں جب اپنے مرید صادق کا چہرہ دیکھتا ہوں کہ جس نے میرے ہاتھ پر فلاح و نجات پائی تو میں اور تروتازہ اور توانا ہو جاتا ہوں، لباس پہنتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ اس کا وجود میرے ہاتھ سے کیسی عمدہ پرورش اور اچھی تربیت پا کر نکلا۔

اے بیٹا! میں تجھے چاہتا ہوں، اپنے آپ کو نہیں، اگر تجھ میں کوئی تبدیلیاں آئیں گی تو تیری ہی حالتیں بدلیں گی، میری نہیں، میں تو سب منزلیں طے کر چکا ہوں، تیری میری دوستی تیری وجہ سے ہوئی ہے، تو مجھ سے اپنے لئے محبت کرتا ہے، مجھ سے تعلق واسطہ رکھ تا کہ تو بھی جلد از جلد ان منزلوں سے گزر سکے۔

۳۴۔ فرمایا: اے بیٹا! اگر زبان پر علم کا چشمہ جاری ہو اور عملی طور پر دل ساتھ نہ ہو، تو یہ سوجھ بوجھ اللہ کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنے دے گی، سیر تو دل کی سیر ہے، قرب الٰہی تو باطنی قرب ہے، عمل حقیقی معنوں میں وہ عمل ہے جس میں اعضاء شرعی حدود کی پاسداری کرتے دکھائی دیں، اور اس کے بندوں کی تواضع و انکساری اللہ ہی کے لئے کی جائے، جو شخص اپنے نفس کو بلند مرتبہ جانے، سمجھ لو کہ اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں، جس نے خلقت کے دکھلاوے کے لئے عمل کئے، اس کا کوئی عمل نہیں۔

۳۵۔ فرمایا: حقیقی عمل تو خلوت ہی میں ہوتے ہیں، جلوت میں ان کا اظہار نہیں کیا جاتا، سوائے ان کے، جن کا ظاہری طور پر کرنا شرعًا لازم ہے۔ تجھ سے بنیاد کی مضبوطی میں کوتاہی سرزد ہو گئی ہے، ناپختہ بنیاد پر بننے والی عمارت کو مضبوط کرنا کیا فائدہ دے گا؟ اوپر کی چھت وغیرہ اوپر ہی اوپر دوبارہ مضبوط کی جاسکتی ہے، مگر بنیاد کی کمزوری کا کیا علاج ہے؟ اعمال کی بنیاد توحید اور اخلاص پر ہے، جس کے پاس توحید اور اخلاص نہیں، اس کا کوئی عمل نہیں، لہذا توحید اور اخلاص کے ذریعے اپنے عمل کی بنیاد کو مضبوط کرو، اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے اعمال کی عمارت نہ اٹھا، یہ بھروسے کی بات نہیں، بلکہ اللہ کی مدد اور نصرت سے اعمال کی عمارت بنا۔

۳۶۔ فرمایا: اے لوگوں اللہ تعالیٰ طرح طرح سے (اپنے تصرفات سے) تمہارے احوال میں تبدیلی لاتا ہے، تاکہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو! کیا تم ثابت قدم رہتے ہو یا لڑکھڑا جاتے ہو! امر الٰہی کی تصدیق کرتے ہو، یا انہیں جھٹلاتے ہو! جو شخص رضائے الٰہی میں راضی نہ ہو، اس کی ہم نوائی نہیں ہوتی، نہ ہی توفیق دی جاتی ہے، جو قضائے الٰہی میں راضی نہیں اللہ بھی اس سے راضی نہیں، جو خود نہیں دیتا، اسے بھی نہیں دیا جاتا، جو کسی سے نہیں ملتا، کوئی اس کے پاس چل کے نہ آئے گا۔ اے جاہل! تیرا خیال ہے کہ اللہ تیری مرضی و منشاء سے تغیر و تبدل کرے، کیا تو دوسرا الہ ہے، کہ اللہ تیری موافقت کرے، یہ الٹا معاملہ ہے، تو اس کے خلاف کرتا کہ ہدایت پائے۔

۳۷۔ فرمایا: اگر اللہ نے تقدیر نہ بنائی ہوتی، تو جھوٹے دعوے نہ پہچانے جاتے، جواہر کی پرکھ تجربوں سے ہوتی ہے، جس طرح تیرا نفس احکام الٰہی سے

انکاری ہے تو اپنے نفس کی ماننے سے انکاری ہو جا، جب تو اپنے نفس کے ماننے سے انکار کر دے گا تو دوسرے کے انکار پر بھی قدرت پالے گا، ایمانی قوت کے اندازے سے ہی خرابیاں دور ہو سکتی ہیں، ایمانی کمزری کی وجہ سے گھر بیٹھنا اسے بزدل بنادے گا، اور اسے دور کرنے سے عاجز اور گونگا ہو جائے گا، ایمان کے قدم ایسے ہیں جو انس وجن کے شیطانوں کے مقابلے پر ڈٹے رہیں، آفتوں اور مصیبتوں کے آنے پر نہ ڈگمگائیں۔

۳۸۔ فرمایا: ریاکار کا لباس بظاہر صاف ستھرا اور دل پلید ہوتا ہے، مباح چیزوں میں زہد کرتا ہے، اور نیکی کمانے میں سستی کرتا ہے، دین (بیچ کر اس) کے ذریعے کھاتا پیتا ہے، پرہیز بالکل نہیں کرتا، کھلے عام حرام کھاتا ہے اس کی یہ حرکتیں عام لوگوں سے اوجھل ہیں جبکہ خواص اس کی حقیقت سے واقف ہیں، اس کا زہد اور عبادت دکھاوے کے ہیں، ریاکار کا ظاہر آباد ہے اور باطن ویران۔ تجھ پر افسوس ہے! اللہ کی طاعت قلب سے ہوتی ہے، قالب سے نہیں، یہ سب چیزیں قلب اور باطن اور معانی سے تعلق رکھتی ہیں، ظاہر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں، ظاہری طور پر تو جس لباس میں ہے اسے اتار دے، تاکہ میں تجھے اللہ سے ایسا لباس لے دوں جو کبھی پرانا نہ ہو، یہ لباس اتار و تو وہ تمہیں پہناؤں۔

۳۹۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

"اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا، لیکن کبھی آزمائش میں ڈالتا ہے"

ایمان والے کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے آزمائش میں کوئی مصلحت ضرور ہے، جس کا بعد میں دنیا یا آخرت میں ظہور ہوتا ہے، لہذا وہ اس

مصیبت کے ساتھ راضی اور اس پر صبر کرنے والے ہیں، وہ اپنے پاک پروردگار پر کسی قسم کی تہمت نہیں رکھتا، اس کا رب اس بلا کی وجہ سے دوسرے امور سے روک دیتا ہے۔

اے دنیا میں مشغول رہنے والو! ان مقامات پر تمہیں کلام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ تم اپنی زبانوں سے کلام کرتے ہیں، دل سے نہیں۔

۴۰۔ فرمایا: اے لوگوں! اللہ کی اطاعت کرو کہ تمہاری اطاعت کی جائے، خدمت کرو یہاں تک کہ مخدوم بن جاؤ، تقدیر اور رضائے الٰہی کی اتباع کرو، اس کے خادم بن جاؤ، حتیٰ کہ وہ تمہارے تابع اور خادم بن جائیں، ان کے سامنے جھک جاؤ، یہاں تک کہ وہ تمہارے سامنے جھک جائیں، کیا تم نے سنا نہیں: "جیسا تم برتو گے، ویسا ہی تم سے برتا جائے گا"

جیسے تم ہو جاؤ گے، ویسے ہی تم پر حاکم مقرر کیا جائے گا، تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں، اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، تھوڑے عمل پر وہ بہت ثواب دیتا ہے، صحیح کا نام فاسد نہیں رکھتا، سچے کا نام جھوٹا نہیں رکھتا۔

۴۱۔ فرمایا: اے بیٹا! جب تو خدمت کرے گا، مخدوم بنا دیا جائے گا، جب تو تقدیر کے ساتھ موافقت کرے گا، توفیقِ خیر دے دیا جائے گا، اللہ ہی کی خدمت گزاری کر، اسے چھوڑ کر دنیاوی بادشاہوں کی خدمت میں نہ لگ جانا، جو تجھے نہ نفع دے سکتے ہیں، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، اللہ کی طرف سے لاپرواہی نہ کر، یہ تجھے کیا دے سکتے ہیں! کیا وہ چیزیں دے سکتے ہیں جو تیرے نصیب میں نہیں ہے! کیا وہ ایسی چیز تمہاری قسمت میں کر سکتے ہیں جو اللہ نے تمہاری قسمت میں نہیں کی ہے!

۴۲۔ فرمایا: ان کے پاس نئی چیز تو کوئی بھی نہیں ہے، اگر تم یہ کہو کہ وہ چیز دے سکتے ہیں تو تم نے کفریہ بات کہی، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہ دینے والا، نہ روکنے والا، نہ ضرر دینے والا، نہ نفع پہنچانے والا، نہ پہلے ہے اور نہ بعد میں ہے، بعد میں باقی رہنے والا اللہ ہی اللہ ہے، اگر تو یہ کہے کہ میں اسے جانتا ہوں، تو میں تجھ سے کہوں گا کہ تو اسے کیسے جانتا ہے، اگر تو اسے جانتا پھر اس کے غیر کو اس پر فوقیت نہ دیتا۔

۴۳۔ فرمایا: تم پر افسوس ہے کہ دنیا کے بدلے تم اپنے آخرت کو کیسے خراب کرتے ہو، اپنے نفس اور خواہش اور شیطان اور خلقت کی اطاعت کر کے اپنے مالک کی تابع داری کیسے فاسد کرتے ہو، اس کے غیر سے شکوہ شکایت کر کے اپنے تقوی کو کیوں ضائع کرتے ہو۔

۴۴۔ فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا حافظ و ناصر ہے، ان سے بدی کو روکنے والا ہے، ان کو تعلیم دینے والا ہے، انہیں اپنی معرفت عنایت کرنے والا ہے، ان کا ہاتھ پکڑنے والا ہے، ان کے دلوں کو دیکھنے والا ہے، انہیں تکلیف دہ چیزوں سے نجات عطا کرنے والا ہے، انہیں ایسی جگہ سے رزق پہنچانے ولا ہے، جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "اے ابن آدم! مجھ سے یوں شرما جیسے اپنے نیک پڑوسی سے شرماتا ہے،"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب کوئی بندہ اپنے دروازے بند کرلیتا ہے، اور ان پر پردے ڈال دیتا ہے، اور خلقت سے چھپ جاتا ہے، اور خلوت میں اللہ کی نافرمانی کرنے لگتا ہے" تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "اے ابن آدم! تو نے اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے زیادہ ادنی درجے کا مجھے سمجھا"

۴۵۔ فرمایا: اے بیٹا! کم گوئی تیری عادت اور گم نامی تیرا لباس ہونا چاہیئے، خلقت سے دور رہنا تیرا مقصود ہونا چاہیئے، اگر ہو سکے تو زمین میں سرنگ نکال کر اس میں چھپ جا، چھپے رہنا تیری عادت ہو جائے، یہاں تک کہ ایمان بڑھ جائے اور تیرے ایقان کے پاؤں جم جائیں، تیرے صدق وسچائی کے بازوؤں کے پر نکل آئیں، اور تیرے دل کی آنکھیں کھل جائیں، اس مقام پر پہنچ کر تو اپنے مکان کی زمین سے بلند ہو جائے گا، اور علم الٰہی کی فضا میں اڑنے لگے گا، مشرق و مغرب، خشک و تر، زمین و پہاڑ، اور آسمان و زمین کا چکر لگائے گا، تیرے ساتھ تیرا رہبر، تجھے امان دینے والا ہو گا، اور تو اس کے ساتھ سفر و حضر کا رفیق ہو گا۔ تو اس وقت تیری زبان کو قوت گویائی عنایت ہو گی، گم نامی کا لباس اتار دینا، خلقت سے بھاگنا چھوڑ دینا، خلوت خانہ کی سرنگ سے نکل آنا یقینی طور پر تو خلقت کے لئے دوا ہے، ان کے ملنے ملانے سے تیرے نفس کا کچھ نقصان نہیں، ان کی کمی اور زیادتی، ان کی تعریف اور برائی، آنے اور نہ آنے کی پرواہ نہ کرنا، کہاں گرے، کہاں پڑے، یہ دل سے نکال ڈال، کیونکہ تو اپنے رب اللہ تعالیٰ کے حضوری میں ہے۔

۴۶۔ فرمایا: اے لوگوں! اپنے رب کو پہچانو اور اس کے حضور ادب سے رہو، جب تک تمہارے دل اس سے سو رہیں تم بے ادب بنے رہو گے، جب دل اس

کے قریب ہو جائیں تو خوب ادب کرو، بادشاہ کی سواری آنے سے پہلے خدمت گار شور شرابے میں لگے رہتے ہیں، تب ان میں سے ہر ایک کسی گوشے کی طرف بھاگنے لگتا ہے، خلقت کی طرف متوجہ ہونا خالق سے رخ پھیرنے کے برابر ہے، تمہیں فلاح و نجات حاصل نہ ہو گی جب تک کہ تو دوستوں سے الگ نہ ہو جائے، اور اسباب سے کوئی واسطہ نہ رکھے، اور نفع و نقصان میں خلقت کا دھیان چھوڑ دے۔

فرمایا: تم بظاہر تندرست ہو مگر باطن میں بیمار ہو، بظاہر مالدار ہو مگر حقیقت میں مفلس ہو، چلتے پھرتے زندہ ہو مگر حقیقت میں مردہ ہو، ظاہری طور پر موجود ہو مگر حقیقت میں معدوم ہو، یہ اللہ کی ذات سے بھاگنا اور اس سے اعراض کرنا کب تک رہے گا؟ دنیا کی تعمیر و آبادی اور آخرت کی خرابی و بربادی کب تک کرو گے؟ تم میں سے ہر ایک کا ایک ہی دل ہے، اس سے دنیا و آخرت کی محبت دونوں کیسے کرو گے؟ اس میں خالق و مخلوق کی سمائی کیسے ہو؟ یہ بات ایک ہی وقت میں، ایک ہی دل میں کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟ یہ دعوی جھوٹا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جھوٹ ایمان سے دور رکھنے والا ہے"۔

۴۷۔ فرمایا: ہر برتن میں جو کچھ ہو گا اس سے وہی ٹپکے گا، آپ کے اعمال دلالت کرتے ہیں آپ کے اعتقاد پر، آپ کا ظاہر دلالت کرتا ہے آپ کے باطن پر، اس لئے اللہ کے بعض بندوں نے فرمایا: "ظاہر باطن کی خبر دیتا ہے" تمہارا باطن اللہ اور اس کے خاص بندوں پر ظاہر ہے، جب تمہیں اللہ کے خاص بندوں میں سے مل جائے تو اس کے سامنے باادب رہو۔

۴۸۔ فرمایا: بڑے وہ ہیں جو : متقی ہیں، صالحین پرہیزگار ہیں، علم پر عمل کرنے والے ہیں، عمل میں اخلاص کرنے والے ہیں جن کے دل صاف ہیں، ماسوی اللہ سے اعراض کرنے والے ہیں، اللہ ہی کے لئے عمل کرنے والے ہیں، جو اہل دل ہیں، اللہ کی معرفت والے ہیں، اللہ سے دل قرب والے ہیں، دلوں کا علم جب زیادہ ہو جاتا ہے، وہ اپنے رب سے قریب تر ہو جاتے ہیں، ہر وہ دل جس میں دنیا کی محبت ہے وہ اللہ سے حجاب میں ہے، ہر وہ دل کہ جس میں آخرت کی محبت ہے، وہ اللہ سے قرب کے حجاب میں ہے، جس قدر تجھے دنیا میں رغبت ہو گی، اسی قدر آخرت میں رغبت کم ہو جائے گی، اور جس قدر رغبت آخرت میں کم ہو گی اتنی ہی اللہ کی محبت کم ہو جائے گی، اس لئے اپنی ذات اور مقام کو پہچانو، اپنے نفسوں کو اس درجہ پر نہ چھوڑو جس درجہ میں اللہ نے انہیں جگہ نہیں دی۔

۴۹۔ فرمایا: اے بیٹا! اگر تم سینے کی فراخی اور دل کی خوشی چاہتے ہو تو خلقت کی ایک نہ سنو، اور ان کی بات پر توجہ نہ دو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اپنے خالق سے خوش نہیں، پھر تم سے کیسے خوش ہوں گے، ان میں سے اکثر بے عقل اور اندھے ہیں، اور بے ایمان ہیں، بلکہ اللہ کے تصدیق کرنے کی بجائے تکذیب کرتے ہیں۔

۵۰۔ فرمایا: ان لوگوں کی اتباع کرو جو غیر اللہ کو کچھ نہیں سمجھتے، غیر اللہ کی نہیں سنتے، غیر اللہ کو نہیں دیکھتے، تو خلقت کی ایذا رسانی پر حق کی رضا کے لئے صبر کرو، طرح طرح کی مصیبتوں کی آزمائش برداشت کر، اللہ کا اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ یہ وطیرہ ہے کہ: ان کو سب سے الگ کر دیتا ہے، طرح طرح کی مصیبتوں،

آفتوں اور مشقتوں سے ان کی آزمائش کرتا ہے، دنیا و آخرت اور عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز ان پر تنگ کر دیتا ہے۔

۵۱۔ فرمایا: اے بیٹا ! قضا و قدر کے آتے وقت اللہ تعالیٰ سے خاموش رہو، تاکہ اس کی طرف ہونے والی بہت سی رحمتیں دیکھ سکو، کیا تو نے حکیم جالینوس کے غلام کا حال نہیں سنا، وہ جان بوجھ کر گونگا، بیوقوف اور بھولا بھالا بنا رہا، اور اس کی طرح جالینوس کا تمام علم سیکھ لیا، بہت بک بک کرنے دل کے ساتھ جھگڑنے سے، اس پر اعتراض کرنے سے تیرے دل میں اللہ کی حکمت نہ آئے گی۔

۵۲۔ فرمایا: تم اپنے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کمر باندھ کر لو، آپ ﷺ نے جو کرنے کے لئے فرمایا، وہ کئے جاؤ، اور جس سے روک دیا ، اس سے باز رہو، یہاں تک کہ مالک تمہیں اپنی طرف آنے کے لئے پیغام بھجوائے ، تب رسول اللہ ﷺ کا اکرام کرتے ہوئے ان سے اجازت چاہو، اور درگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ "ابدال" کا نام "ابدال" اسی وجہ سے ہے کہ وہ اپنا ارادہ مشیت ایزدی کے خلاف نہیں رکھتے، اس کے اختیار کے ساتھ اپنا کوئی اختیار نہیں رکھتے، ظاہری حکم پر حکم لگاتے ہیں، اور ظاہری اعمال پر عمل کرتے ہیں، پھر ایسے اعمال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو کہ (تنہائی میں) انہی کے لئے خاص ہے، جب ان کی منازل اور درجات میں ترقی ہوتی ہے تو وہ امر و نہی کے بجالانے میں اور زیادہ کوشش کرتے

ہیں، یہاں تک کہ وہ ایسے مقام پر جا پہنچتے ہیں کہ جہاں نہ امر ہے اور نہ نہی ہے [1]، بلکہ ان سے اثر قبول کر کے شرعی احکام ان کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں، اور یہ تنہائی میں ہوتے ہیں، بالعموم وہ خلقت سے غائب رہتے ہیں، اور حق تعالیٰ کی معیت میں رہتے ہیں، امر وہ نہی بجالانے کے وقت حاضر ہو جاتے ہیں، امر و نہی دونوں کے نگہبان ہوتے ہیں، تاکہ حدود شرعی میں سے کوئی حد ضائع نہ ہو جائے، فرض کی گئی عبادات کا ترک کرنا بے دینی ہے، جبکہ منع کی ہوئی چیزوں سے نہ رکنا گناہ ہے، فرض کی گئی عبادت کسی شخص سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔

۵۳۔ فرمایا: اے بیٹا! اللہ کے حکم و عمل کے ساتھ عمل کر، دائرے سے باہر نہ نکل، (قالوا بلی کا) عہد نہ بھول، اپنے نفس اور حرص اور شیطان اور عادت اور دنیا سے جہاد کر، اللہ کی مدد سے ناامید نہ ہو، اس کی مدد تیری ثابت قدمی کے ساتھ آتی رہے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان اللہ مع الصّٰبرین) "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے: انّ حزب اللہ ھم الغالبون "بے شک اللہ والے ہی غالب ہیں"

ایک اور مقام پر فرمایا: الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"

---

[1] اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ درج بالا مقام پر پہنچنے کے بعد انسان شرعی اوامر اور نواہی کا مکلف نہیں رہتا، چنانچہ خود یہ ملفوظ آخر تک پڑھا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے، اس کا متبادر درست مفہوم یہ ہے کہ ایسے افراد کے لئے اوامر اور نواہی بجالانا تکلیف و مشقت کا باعث نہیں رہ جاتا بلکہ گویا شریعت طبیعت بن جاتی ہے۔

جنھوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا ہم انہیں (اپنے دربار کے) کئے راستے بتادیتے ہیں"

مخلوق کے پاس اللہ کا شکوہ کرنے سے اپنی زبان کو روک لے،رضائے الٰہی کے لئے نفس اور مخلوق کے خلاف ہو جا،اس کی فرمانبرداری کا حکم دے اور نافرمانی سے روک ،انہیں گمراہی اور بدعت سیئہ ،حرص اور نفس کی موافقت سے باز رکھ ،انہیں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے کا حکم دے۔

۵۴۔فرمایا:زبان دراز اور جاہل دل سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا ،رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خود مجھے خوف ہے اور امت پر خوف کرتا ہوں،زبان دراز منافق سے"

۵۵۔فرمایا:اے علم والو! اے جاہلو! اے حاضرو! اے غائبو! اللہ سے حیا کرو،اور اپنے دل پر نگاہ ڈالو،اس کے حضور میں ذلیل ہو جاؤ،اپنے نفسوں کو صبر کرنا سکھاؤ،اپنے نفسوں کو تقدیر الٰہی کے گرزوں کے نیچے ڈال دو، نعمتوں پر شکر کرتے ہوئے گرزوں کی ضربوں کو برداشت کرو ،اللہ کی فرمانبرداری میں روشنی کو اندھیرے سے ملادو،جب یہ سب تم کر گزروگے تو اللہ کی طرف سے دُنیا میں بزرگی وعزت اور آخرت میں جنت حاصل ہو گی۔

۵۶۔فرمایا: تجھ پر افسوس ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچتا ہے،اور اپنے دین کا نقصان کرتا ہے،اگر تجھے سمجھ ہوتی تو تو جانتا کہ اصل نقصان یہی ہے،اور تو کہتا ہے:"خدا کی قسم میرے مال جیسا مال سارے شہر میں نہیں ہے،اور نہ کسی اور کے پاس موجود ہے ،خدا کی قسم ! یہ اتنی اتنی قیمت کا ہے ،اور مجھے اتنے میں پڑا ہے

"حالانکہ تم اپنی سب باتوں میں جھوٹے ہو، اور پھر جھوٹا گواہ بھی لاتے ہو، اور خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ میں سچا ہوں، عنقریب تجھ پر مصیبت آئے گی، اللہ تم پر رحم فرمائے، اللہ کے حضور باادب رہو، جس نے شرعی آداب سے ادب نہ سیکھا قیامت کے دن دوزخ کے آگ اسے ادب سکھائے گی۔

۵۷۔ فرمایا: اے دنیا میں مشغول ہونے والے! عنقریب قیامت کے دن تیرا نقصان اور ندامتیں تجھ پر ظاہر ہو جائیں گی، قیامت کا دن: ہار جیت کا دن ہے، رسوائی اور شرمندگی کا دن ہے، نقصان اور خسارے کا دن ہے، قیامت کے دن کے آنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کر لے، تجھ پر اللہ کا جو کرم ہے اور نرم رویہ ہے، اس سے کچھ گمان نہ کر، خطاؤں اور نافرمانیوں سے تمہاری بہت بری حالت ہے، گناہ اور نافرمانیاں بندے کو کفر تک لے جاتے ہیں، جیسے بیماری موت کا پیغام لاتی ہے، تجھے چاہئے کہ موت کے آنے سے پہلے توبہ کرے، موت کے فرشتے کے آنے سے پہلے اللہ سے رجوع کرے۔

۵۸۔ فرمایا: اے نوجوانو! توبہ کرو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصیبت میں ڈال کر تمہیں آزماتا ہے، تاکہ تم اس کی طرف رجوع کرو، مگر تم کچھ سمجھتے نہیں، اپنے گناہوں پر برابر اصرار کر رہے ہو، ان دنوں چند ایک مخصوص بندوں کے علاوہ جو بھی مصیبت میں ہے، اسے آزمایا جا رہا ہے، اس کے لئے آزمائش عذاب ہے، نعمت نہیں، گناہوں کی سزا ہے، درجات اور مقامات کا بڑھنا نہیں۔ اولیاء اللہ کی آزمائش اس لئے ہے تاکہ اللہ کے ہاں ان کے درجات بلند ہوں، وہ آزمائش پر صبر کرتے ہیں، کیونکہ ان کا مقصود اللہ کی ذات ہے، اس آزمائش پر جب وہ

پورا اترتے ہیں تو ان کی حکومت کامل ہو جاتی ہے، جب تک یہ مقام حاصل نہ ہو ان کا اعتقاد یہی رہتا ہے کہ وہ ہلاکت میں ہیں، یہی التجا ہے کہ:

"الٰہی! ہمیں ہلاک نہ کر، ہم دنیا اور آخرت میں تجھ سے تیرے قرب اور تیری نظر رحمت کا سوال کرتے ہیں، دنیا میں تیرا دیدار دل کی آنکھوں سے کریں، اور آخرت میں تیرا دیدار سر کی آنکھوں سے کریں"

۵۹۔ فرمایا: اے لوگوں! اللہ کی رحمت اور کشائش سے ناامید نہ ہو، کہ کشائش قریب ہے، ناامید نہ ہو، بنانے والا تو اللہ کی ذات ہے، مایوس نہیں ہونا چاہئے "تمھیں نہیں معلوم کہ وہ اس خستہ حال کے بعد کوئی بہتر حالت پیدا کر دے"۔

بلا سے مت بھاگو، بلا پر صبر کرو، صبر کے ساتھ بلا ہر نیکی کی بنیاد اور جڑ ہے، نبوت اور رسالت، ولایت اور معرفت الٰہی اور محبت کی جڑ بلا ہی ہے، جب تک بلا پر صبر نہ کرو گے تمہارے لئے کوئی بنیاد نہیں، بنیاد ہی سے عمارت کی بقا ہوتی ہے، کیا تو نے کوئی ایسا گھر دیکھا جس کی بنیاد نہ ہو اور ریت کے ٹیلے پر واقع ہو، تو بلا اور آفتوں سے اس لئے بھاگتا ہے کہ ولایت اور معرفت اور قرب الٰہی کی ضرورت نہیں۔

۶۰۔ فرمایا: اے بیٹا! آخرت کو دنیا پر مقدم کر دونوں میں فائدہ ہو گا، لیکن جب دنیا کو آخرت پر مقدم کرے گا، تو دونوں میں نقصان اٹھائے گا، اور یہ تیرے عذاب کا باعث ہو گا۔ جس کا تجھے حکم نہیں ملا، اس میں کیوں لگتا ہے؟ اگر دنیا میں نہ لگو گے تو اللہ کی مدد حاصل ہو گی، اس کی حصول کی توفیق عنایت فرمائے گا، جب تو اس سے کوئی چیز لے گا اس میں برکت رکھ دی جائے گی، ایمان والا دنیا و آخرت دونوں کے لئے عمل کرتا ہے، دنیا کے کام ضرورت کے مطابق انجام دیتا ہے، وہ اتنی

مقدار پر کر گزرتا ہے جتنی کسی سواری کو توشہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ دنیا سے زیادہ حاصل نہیں کرتا، جاہل اپنی ساری توانائیاں دنیا کے لئے اور عارف کی ساری کوششیں آخرت، اور پھر اللہ کے لئے ہوتی ہے۔

٦١۔ فرمایا: اے بیٹا! گناہ کر کے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بلکہ اپنے کپڑوں سے گناہ کی نجاست کو توبہ کے پانی سے دھودے، توبہ اخلاص کے ساتھ کر ، اور استقامت اختیار کر، اور دین کے کپڑوں میں جو گناہ کی بدبو پڑی ہے، اسے معرفت الٰہی کی خوشبو سے پاک اور معطر کر، تو جس مقام پر ہے، اس سے بچ اور ڈر ، اس حالت میں تو جس طرح بھی رخ کرے گا، درندے اور تکلیفیں تیرے ارد گرد ہوں گے، جو تجھے ضرر دیں گے، تو ان سے اپنا رخ پھیر کر اللہ کی طرف اپنے دل سے رجوع کر۔

٦٢۔ فرمایا: اپنی عادت اور حرص اور خواہش سے نہ کھا، ان پر دو عادل گواہوں کی گواہی لے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ، پھر ان پر دوسرے دو گواہ اور طلب کر یعنی قلب اور امر الٰہی کی گواہی لے، جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور قلب کی اجازت مل جائے تو چوتھے کی اجازت یعنی امر الٰہی کا انتظار کر۔ رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہ ہو، کہ جو وہ جمع کرتا ہے، اور یہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ کیا لگے گا، خالق یا مخلوق! یہ چیز تنہائی اور آرزو اور تمنا اور تکلیف اور بناوٹ سے ہاتھ نہیں لگتی، بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو سینوں کے اندر قرار پکڑتی ہے، اور عمل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، اس عمل سے کہ جس سے مقصود اللہ کی رضا ہو نہ کہ اس کے غیر کی۔

۶۳۔ فرمایا: تو عاقل بن جا، حرص نہ کر، بناوٹ اور تکلف نہ کر، تو حرص اور بناوٹ، تکلف اور جھوٹ، ریا اور نفاق میں گر گیا ہے، تمہارا کامل مقصود یہی ہے کہ خلقت کو اپنی طرف کھینچ لو، تمہیں نہیں معلوم کہ جب تم دل سے ایک قدم خلقت کی طرف چلتے ہو، تو خدا سے کس قدر دور جا پڑتے ہو، تمہیں دعوی تو طالب حق ہونے کا ہے، جبکہ دل میں طلب مخلوق کی ہے، تمہارا حال اس شخص کی طرح ہے جس نے کہا کہ میرا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا ہے، اور چل گیا خراسان کو، چنانچہ مکہ سے دور ہوتا چلا گیا۔

۶۴۔ فرمایا: باعمل علماء اپنے علم کی وجہ سے اگلے علماء کے نائب ہیں، اور انبیاء کرام کے وارث ہیں، اور جو بقیۃ السلف ہیں وہ ان کے پیش رو ہیں، خلقت کو شریعت کے شہر میں عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور انہیں اس کی ویرانی سے روکتے ہیں، وہ اور انبیاء کرام قیامت کے دن ایک جگہ اکٹھے ہوں گے، انبیاء کرام ان علماء کو اللہ تعالیٰ سے انکی پوری پوری مزدوری دلائیں گے، جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، اللہ نے اس کی مثال گدھے سے دی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کمثل الحمار یحمل اسفاراً"

ترجمہ: گدھے کی مثل جو کتابیں اٹھاتا ہے۔

کیا گدھا ان علمی کتابوں کو اٹھا کر فائدہ حاصل کر سکتا ہے؟ سوائے اس بات کے کہ مشقت اور غم اٹھائے، بے عمل علماء کا یہی حال ہے، ان کے ہاتھ کیا آتا ہے؟ جسے زیادہ علم ہو اسے چاہیئے کہ اللہ سے زیادہ خوف کرے اور زیادہ اطاعت کرے۔

٦٥۔ فرمایا: اے منافق ! اللہ تیرے وجود سے زمین کو پاک کرے، کیا تیرے لئے تیرا انفاق کافی نہیں، تو علماء واولیاء اور صلحاء کی غیبت کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے، تو اور تیرے بھائی جو تجھ جیسے منافق ہیں، کی زبانوں اور گوشت کو کیڑے کھائیں گے، تمہارے ٹکڑے اور ریزے کر ڈالیں گے، زمین تمہیں بھینچ کر پیس ڈالے گی اور چور چور کر دے گی۔

٦٦۔ فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے نیک بندوں کے ساتھ اچھا گمان نہیں رکھتا، اور ان کی تواضع نہیں کرتا، ان کے لئے فلاح ونجات نہیں ، تم ان کی تواضع کیوں نہیں کرتے، حالانکہ وہ رئیس وامیر ہیں؟ ان کی نسبت تم کیا چیز ہیں؟ اللہ نے سارے عالم کا انتظام حل وعقدان کے حوالے کرر کھا ہے، انہیں کی برکت سے آسمان بارش اتارتی ہے، اور زمین سبزہ اگاتی ہے، تمام مخلوق ان کی رعایا ہیں، ان میں سے ہر ایک پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہے، آفتوں اور مصیبتوں کی ہوائیں انہیں اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتیں، وہ رضائے الٰہی اور مقام توحید سے ذرہ بھی حرکت نہیں کرتے، راضی برضا رہتے ہیں، اپنے اور دوسروں کے لئے اللہ کی رضا کی طالب رہتے ہو، تم اللہ کے حضور توبہ کرو اور اس سے عذر کرو، اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرو، اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرو، تمہارے بالمقابل کیا چیز ہے۔

٦٧۔ فرمایا: ایمان والا حسب ضرورت لیتا ہے، کافر سارا فائدہ لیتا اور مزے اڑاتا ہے، ایمان والا تھوڑے سے گزراوقات کرتا ہے، اور بہت سا مال آخرت کے لئے بھیجتا ہے، جتنا سامان مسافر اپنی ضرورت کے مطابق اٹھا سکے، اسی قدر وہ اپنے نفس کے لئے رکھ لیتا ہے، اس کا سارا مال، اور پوری ہمت اور دل آخرت میں

لگے ہوئے ہیں، اس کا دل دنیا سے کٹ کر اسی طرف لگا ہوا ہے، وہ اپنی سب عبادتیں آخرت میں بھیجتا ہے،، دنیا اور دنیا والوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، اگر اس کے پاس اچھا کھانا ہو تو وہ اس نیت سے فقیروں کو کھلا دیتا ہے کہ اسے آخرت میں اس سے بہتر کھلایا جائے گا۔

٦٨۔فرمایا: اے بیٹا! تو کچھ بھی نہیں جب تک تیرا اسلام صحیح نہ ہو، تو اسلام کی کسی چیز پر نہیں، کلمہ شہادت جو کہ اسلام کی بنیاد ہے، وہ بھی تیرے لئے کافی ہے، زبان سے لاالہ الا اللہ تو کہتا ہے، (لیکن عمل سے اس کی نفی کرتا ہے) یعنی جھوٹ بولتا ہے، تیرے دل میں معبودوں کی ایک جماعت ہے، وقت کے حاکم اور محلہ کے سرکردہ سے ڈرنا تیرے معبود ہیں، اپنی آنکھ اور کان اور ہاتھ کی گرفت پر اعتماد کرنا تیرا معبود ہے، نفع و نقصان، اور منع و عطا کے لئے خلقت کی طرف متوجہ ہونا تیرا معبود ہے۔

٦٩۔فرمایا: بہت سے لوگ ان چیزوں پر توکل کر بیٹھتے ہیں، جبکہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ پر بھروسہ ہے، ان کا اللہ کو یاد کرنا زبانی کلامی ہے، دل سے نہیں ، اس معاملہ میں جب انہیں پر کھا جائے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، اور جھگڑنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں "ہمیں ایسا کیوں کہتے ہو، کیا ہم مسلمان نہیں" کل قیامت کے دن سامنے آجائے گا رسوائی اور خسارہ ظاہر ہو جائیں گے۔

٧٠۔فرمایا: جب تم لاالہ الا اللہ کہو، اور پھر دل سے کہو، پھر زبان سے، اللہ ہی پر توکل کرو، اور اس کے غیر کے سہارے کو چھوڑ دو، ظاہری طور پر شرعی حکم کی تعمیل میں رہو، اور اپنے باطنی طور پر اللہ کے ساتھ لگے رہو، بھلائی اور برائی کو ظاہر پر

چھوڑ دو، اور باطن کی بھلائی اور برائی کے پیدا کرنے والے کے ساتھ جوڑ دو، جس نے اسے پہچان لیا، اس کا فرمانبر دار ہو گیا، اس کے سامنے زبان بولنا بھول گیا، اللہ اور اس کے نیک بندوں کے سامنے عاجزی وانکساری کرنے والا بن گیا، اس کا فکر اور غم اور گریہ زاری دو گناہ ہو گئے، خوف اور دہشت بڑھ گئے، بد عملی پر شرمندگی ہونے لگی، حیا آنے لگی، اگلے گناہوں اور خطاؤں پر شرم آنے لگی، جو کچھ معرفت اور علم اور قرب الٰہی پایا تھا، اس کے زوال کا خوف اور ڈر ہو گیا، کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور "جو کچھ وہ کرے اس کی کوئی پوچھ نہیں، اور ان سے پوچھ ہو گی"۔

۷۱۔ فرمایا: ایمان والے کے ہر کام میں نیک نیتی ہوتی ہے، وہ دنیا میں کوئی کام حصول دنیا کے لئے نہیں کرتا، دنیا میں آخرت کے لئے عمارت بناتا ہے، وہ مسجدیں، پل، مدرسے اور سرائیں بناتا ہے، مسلمانوں کے راستوں کو درست کرتا ہے، ان کے علاوہ اگر وہ جو کچھ بناتا ہے تو بیوی بچوں اور ضرورتوں کے لئے ہے، یہ سب وہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کے بدلے میں اس کے لئے آخرت میں عمارت تیار ہو سکے، وہ یہ سب اپنی خواہش اور حرص اور نفس کے لئے نہیں کرتا۔

۷۲۔ فرمایا: اولاد آدم کی حالت جب سدھر جائے تو اپنی تمام حالتوں میں اللہ کے ساتھ رہتا ہے، فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مقام حاصل کرتا ہے، اس کا دل نبیوں اور رسولوں سے مل جاتا ہے، جو کچھ انبیاء کرام لے کر آئے تھے وہ ان کو اپنی زبان سے، اپنے عمل سے اور ایمان ویقین کے ساتھ قبول کرتا ہے، اسی لئے وہ دنیا وآخرت میں ان سے ملا ہوا رہتا ہے۔

۷۳۔ فرمایا: اے بیٹا! تو اپنی طاعت پر ناز اور غرور نہ کر، اور اطاعت کے باعث اللہ سے منہ نہ موڑ، بلکہ اللہ سے اپنی اطاعت کے قبول ہونے کی دعا کر، اور اس بات سے ڈر اور خوف کر کہ کہیں تجھے وہ معصیت کی طرف منتقل نہ کر دے۔ وہ کون ہے جو تجھے اس سے بے خوف کر رہا ہے کہ: تیری اطاعت سے کہہ دیا جائے ، معصیت بن جا، تیری صفائی سے کہہ دیا جائے، تو مکدر ہو جا، عارف الٰہی کسی چیز پر نہیں ٹھہرتا، اور نہ کسی چیز سے دھوکہ کھاتا ہے، وہ اس وقت تک امن میں نہیں ہوتا جب تک کہ: اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے نکل جائے، اللہ اور اس کے درمیان جو معاملات ہیں، اللہ کی حفاظت میں رہتے ہوئے دنیا سے نکل جائے۔

۷۴۔ فرمایا: اے لوگوں! جو عمل بھی کرو دل اور اخلاص سے کرو۔ ظاہری اخلاص یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے قطع تعلق کیا جائے، اللہ کی معرفت اس کا اصل مقصود ہے، میں تم سے اکثر کو اقوال وافعال اور خلوت اور جلوت میں جھوٹ بولنے والا دیکھتا رہا ہوں، نہ تم ثابت قدم ہو اور نہ تمہارے دعوی کا کوئی گواہ ہے ، تمہارے اقوال ہیں، افعال نہیں، اگر افعال ہیں تو اخلاص ہے نہ توحید، پرکھنے کا جو معیار میرے ہاتھ میں ہے، اگر تو اس سے دوری کرے، اور اگر تجھے یہی پسند ہے تو اس سے تجھے کیا فائدہ حاصل ہو گا؟ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ قبول کر لے تو یہ چیز کھوٹی ہے ، بیکار ہے، تیری چاندی کے ٹکڑے عنقریب پگھلاتے اور آگ دھکاتے وقت رسوا اور ظاہر ہو جائیں گے، کہا جائے گا "دیکھو یہ چاندی سفید ہے اور یہ قلعی سیاہ ہے، یہ ملمع اور ملاوٹ کردہ ہے"۔ قیامت کے دن ہر ایک رخ پھیرنے والا خراب حال میں نکالا جائے گا، اسی طرح تمہارے منافقانہ عملوں کے بارے میں حکم ہو گا، جو

عمل غیر اللہ کے لئے کیا ہے باطل ہے، تم محبت اور دوستی کے ساتھ عمل کرو، اور صحبت اختیار کرو، اور اسی اللہ کو طلب کرو، جس کی مثل کوئی چیز نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر"

۷۵۔ فرمایا: اے بیٹا! عمل پر غرور نہ کر، اعمال کا دار مدار خاتمہ پر ہے، تم پر لازم ہے کہ اللہ سے خاتمہ بالخیر کا سوال کیا کر، اور یہ وہ تجھے اپنی طرف محبوب ترین اعمال کے ساتھ اٹھائے، اور ایمان پر موت نصیب کرے، تو اس بات سے بچتا رہ کہ توبہ کرکے توبہ نہ توڑے، اور پھر گناہ کی طرف لوٹ جائے، کسی کے کہنے سننے میں آکر توبہ نہ توڑنا، اپنے نفس اور حرص اور عادت کی موافقت کرکے اللہ کی مخالفت نہ کرنا، اللہ کی نافرمانی تو آج بھی تجھے دنیا میں ذلیل کرے گی، اور قیامت کے دن بھی رسوا کرے گی، اور کوئی تیری مدد نہ کرے گا۔

۷۶۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو جہاد کی خبر دی ہے: ایک ظاہری جہاد اور دوسرا باطنی جہاد۔ باطنی جہاد یہ کہ: نفس اور خواہش اور شیطان اور طبیعت سے لڑو، گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرو، حرام خواہش کو چھوڑ کر توبہ پر ثابت قدم رہو، اور ظاہری جہاد یہ کہ کافروں سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں سے روکنے والے ہیں، جنگ کرو، ان کی تلواروں اور تیروں اور نیزوں کا مقابلہ کرو، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤ یا قتل کر ڈالو، باطنی جہاد، ظاہری جہاد سے بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ ایک لازم شے ہے اور بار بار آنے والی ہے۔

اور باطنی جہاد ظاہری جہاد سے کیونکر سخت نہ ہو، اس لئے کہ: اس میں نفس کو لبھانے والی چیزوں اور حرام چیزوں کو چھوڑنا ہے، اور تمام شرعی احکام کو

بجالانا اور تمام ممنوعات سے باز رہنا ہے، چنانچہ جو دونوں جہادوں میں احکام الٰہی پر عمل پیرا ہوا، اسے دنیا اور آخرت دونوں کی جزائیں حاصل ہوئیں شہید کے بدن پر لگنے والے زخم ایسے ہیں کہ کسی کے ہاتھ میں فصد کھولی جائے، ان زخموں سے شہید کو ذرا سی تکلیف نہیں ہوتی، اور جو شخص نفس سے جہاد کرنے والا ہے، اور گناہوں سے توبہ کرنے والا ہے، اس کے لئے موت ایسی ہے جیسے کسی پیاسے کو ٹھنڈا پانی مل جائے۔

۷۷۔ فرمایا: اے بیٹا! تو صحیح و درست بن، فصیح ہو جائے گا، تو حکم میں صحیح بن، ہر حکم مانتا رہ، علم میں فصیح ہو جائے گا، باطن میں صحیح ہو، ظاہر میں فصیح ہو جائے گا، اللہ کی اطاعت میں سب طرح کی سلامتی ہے، اطاعت یہی ہے کہ اس کے تمام حکموں کی تعمیل کرو، اس کے منع کردہ سے باز رہو، اور قضا الٰہی پر صبر کرو، جو شخص اللہ کے حکموں پر عمل کرتا ہے، اللہ اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے، اور جو اس کی اطاعت کرتا ہے، ساری مخلوق اس کی مطیع ہو جاتی ہے۔

۷۸۔ فرمایا: اے لوگوں! کیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے زندہ رہنے کا کوئی پروانہ آگیا ہے؟ کس قدر ناقص سمجھ کے مالک ہو، جو شخص اپنی آخرت برباد کر کے کسی کی دنیا آباد کرتا ہے، وہ دوسروں کے لئے دنیا جمع کر کے اپنا دین خراب کرتا ہے، اپنے اور خدا کے درمیان دوری ڈالتا ہے، اپنی جیسی مخلوق کی خاطر اللہ کی ناراضی مول لیتا ہے۔

۷۹۔ فرمایا: اگر وہ جان لے اور یہ یقین کر کے کہ عنقریب وہ مرنے والا ہے، اسے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب طرح کے اعمال کا حساب لینے والا ہے، تو وہ ضرور اپنے بہت سے اعمال میں سیدھی راہ پر آجاتا ہے۔

۸۰۔ فرمایا: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ بیٹا! جب تم بیمار پڑتے ہو تو تو نہیں جانتے کہ بیماری کیسے آئی، اسی طرح مر جاؤگے، تجھے خبر نہ ہوگی کہ موت کیسے آگئی؟

میں تمہیں ڈراتا ہوں اور منع کرتا ہوں، نہ تم خدا کا خوف کرتے ہو اور نہ اپنی بری حرکتوں سے باز آتے ہو، اے بھلائی سے غائب رہنے والوں! دنیا میں مشغول رہنے والوں!

۸۱۔ فرمایا: اے اس شہر کے رہنے والوں! تم میں نفاق بہت بڑھ گیا ہے، اور اخلاص کم ہو گیا ہے، باتیں بہت ہیں عمل کوئی نہیں، عمل کے بغیر قول کسی کام کا نہیں، بلکہ وہ تم پر دلیل ہے، قرب خداوندی کا راستہ نہیں، عمل کے بغیر قول ایسا ہے کہ جیسے دروازے کے بغیر کوئی گھر ہو، یا ایسا خزانہ ہو جس سے کچھ خرچ نہ کیا جائے، وہ صرف دعوی ہی دعوی ہے، جس کا کوئی گواہ نہیں، صورت تو ہے مگر روح کے بغیر، ایسا بت ہے جس کے نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں، اور نہ ہی پکڑنے کی قوت و طاقت ہے۔ تمہارے بڑے اعمال ایسے ہیں کہ جیسے روح کے بغیر جسم، روح کیا ہے؟ اخلاص و توحید اور قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ پر ثابت قدم رہنا۔

۸۲۔ فرمایا: تم میں سے ہر ایک کثیر گناہوں کے باعث اللہ کا نافرمان ہے، اس کے باوجود اسے کوئی فکر نہیں، نہ وہ ان سے توبہ کرتا ہے اور یہ گمان کرتا

ہے، کہ اس کی نافرمانیاں بھلادی گئیں، جبکہ وہ تاریخوں اور وقت کے ساتھ تمہارے اعمال نامے میں درج ہیں، چھوٹے بڑے، کم یا زیادہ سب گناہوں کا حساب وعذاب ہوگا ،اے غافلوں! ہوشیار ہو جاؤ ،اے سونے والوں! بیدار ہو جاؤ ،اللہ کی رحمت حاصل کرو،اے بندوں! جس کسی نے گناہ اور لغزشیں بکثرت کیں،اور ان پر اصرار کرتا ہو،نہ توبہ کی اور نہ شرمندہ ہوا،اگر اس نے اپنے کئے کا تدارک نہ کیا تو سمجھو کہ کفر کا قاصد اس کے پاس آگیا،اے آخرت کے بغیر دنیا کو طلب کرنے والے،اے خالق کے بغیر مخلوق کو طلب کرنے والے! تو محتاجی کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا،اور امیری کے سوا کسی کی آرزو نہیں کرتا۔

۸۳۔ فرمایا: اے بیٹا! اس بات سے بچو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں اپنے غیر کو کو دیکھے تا کہ تمہاری رسوائی نہ ہو،اس بات سے بھی بچو کہ وہ تمہارے دل میں اپنے غیر کا خوف، غیر سے امید اور غیر کی محبت دیکھے،اپنے دلوں کو غیر اللہ سے پاک کرو،ہر نفع یا نقصان غیر کے بجائے اسی سے دیکھو،اس لئے کہ تم اللہ کے گھر میں ہو اور اسی کی مہمانی میں ہو۔

۸۴۔ فرمایا: اے بیٹا! تم جو خوبصورت چہرے دیکھتے ہو،اور تم انہیں چاہنے لگتے ہو، یہ محبت ناقص ہے،اس پر پکڑ ہو سکتی ہے، صحیح محبت وہی ہے کہ جو اللہ کی محبت میں تغیر نہ لائے،اللہ کی محبت وہ ہے، جو تم اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہو ،یہی محبت صدیقوں اور روحانیوں کی ہے۔

۸۵۔ فرمایا: جو شخص نجات کا طالب ہے،اسے چاہئے کہ اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے،اور اپنے دل سے خلقت اور دنیا کو ایسے نکال دے جیسے

بال گندھے ہوئے آٹے اور دودھ سے نکل جاتا ہے، اسی طرح آخرت اور ماسوی اللہ سے نکل جائے، اب اللہ کے حضور میں حاضر ہو کر ہر ایک حق دار کو اس کا حق ادا کرے، اور دنیا و آخرت سے اپنا نصیب بھی حاصل کرے، اس حال میں کہ تو دروازے پر ہے اور دنیا و آخرت تیرے سامنے ہاتھ باندھے خادم بنے کھڑے ہیں، تو دنیا سے اپنا نصیب یوں نہ کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ تو اسے بادشاہ کے دروازے پر اس طرح سے کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور دنیا تیرے سامنے سر پر خوانچہ اٹھائے کھڑی ہو، تم مخدوم بن کر بیٹھے ہو اور وہ تمہارے سامنے ذلیل ہو، دنیا اس کی خدمت کرتی ہے، جو اللہ کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے، اور جو دنیا کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے، دنیا اسے ذلیل کرتی ہے، تو دنیا سے غنا اور خدادا و عزت کے حصہ وصول کر۔

۸۶۔ فرمایا: دنیا سب کا سب فتنہ اور مشغلہ ہے مگر اتنی جو آخرت کے لئے نیک نیتی سے لی جائے، دنیا میں تصرف کرنے کے لئے جب نیت نیک ہو جاتی ہے، تو دنیا سراسر آخرت بن جاتی ہے، ہر وہ نعمت جو شکر الٰہی سے خالی ہو وہ دنیا اور سراسر عذاب ہے، اللہ کی نعمتوں کو شکر سے قید کر لو، اللہ کا شکر ہر ایک نعمت کے ساتھ ہے۔ ادائے شکر دو طرح سے ہے:

اول یہ کہ نعمتوں کے ساتھ عبادت پر مدد حاصل کی جائے، اور ان کے ذریعے حاجت مندوں سے غم خواری کرنا، ان کی مدد کرنا۔

دوسرے یہ کہ نعمت کے ذریعے نعمت دینے والے کو پہچان کر اس کے ناز فرمانے والے یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی صاحب رحمہ اللہ

ولادت وابتدائی حالات

نام عمر بن محمد بن عبد اللہ ہے، کنیت ابو حفص ہے اور لقب شہاب الدین ہے۔ رجب پانچ سو انتالیس ہجری (۵۳۹ھ) کو "سُہر ورد" میں پیدا ہوئے۔ چھ مہینوں کے تھے کہ ان کے والد کو قتل کر دیا گیا، سولہ سال کے قریب جب ہوئے تو بغداد آکر اپنے چچا حضرت شیخ ابو النجیب سہر وردی کے ساتھ رہے، ان کی خدمت بھی کرتے رہے اور ان کے ہاتھ پر سلوک بھی کرتے رہے، جب تک حضرت شیخ زندہ رہے، یہ باوفاء بھتیجا بھی ساتھ رہا، حضر و سفر میں صحبت و معیت بھی حاصل ہوتی رہی اور ان کی خدمت و تواضع سے بھی محظوظ ہوتے رہے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی صاحب رحمہ اللہ کی بھی کچھ صحبت نصیب ہوئی۔

اساتذہ ومشائخ

مختلف حضرات محدثین سے حدیث کی سماعت فرمائی جن میں سے امام ابوزرعہ مقدسی، ابو الفتح ابن البطی، معمر بن فاخر اور ان کے چچا شیخ ابو النجیب سہر وردی وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ فقہ اور علوم عربیت کی تعلیم پہلے اپنے چچا سے حاصل کی، ان کے انتقال کے بعد شیخ ابوالقاسم بن فضلان کے پاس رہے اور ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ سلوک و تصوف کی عملی تربیت اپنے چچا یعنی حضرت شیخ ابوالنجیب سہر وردی سے حاصل کی۔

تعلیم و تربیت

علم حدیث و فقہ حاصل کرنے اور اس میں اپنی حد تک مہارت پیدا کرنے کے بعد عبادت و ریاضت کا راستہ اختیار فرمایا اور اپنے اکثر اوقات اذکار واوراد وغیرہ عبادات میں ہی صرف کرتے رہے، جس کی وجہ سے اپنے وقت کے علماء و مشائخ میں ان کا نمایاں نام و مقام پیدا ہو گیا۔ وعظ وارشاد، دعوت و تبلیغ کے ذریعے بھی خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کی کوششیں جاری رکھیں اور بیعت ہونے والے افراد کی بھی باطنی اخلاقی تربیت فرماتے رہے۔ جن لوگوں نے آپ سے دینی استفادہ کیا اور آپ کی وعظ و تربیت کی وجہ سے راہ راست پر گامزن ہوئے، ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ درسِ حدیث کا بھی کسی حد تک سلسلہ برقرار رہا، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ سے حدیث نقل کرنے والوں کی بھی ایک فہرست لکھی ہے۔[1]

خصوصیات وعادات

جن لوگوں نے آپ کو دیکھا سنا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ:

ا: آپ کے کلام میں تاثیر بہت تھی، جب وعظ و نصیحت کرتے تو بات دل پر لگتی اور مخاطب میں جوشِ عمل پیدا کرتی تھی، اس لئے ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کیا۔

---

[1] سير أعلام النبلاء ط الحديث، ج١٦ص٢٦٩

۲: کردار و گفتار میں پوری طرح مطابقت پائی جاتی تھی، لوگوں کو دینی احکام پر عمل کرنے کی طرف بلاتے تھے، ہر مشکل گھڑی کے وقت دین و شریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنے کی ترغیب و تحریض کرتے تھے، خود لوگوں سے بڑھ کر اس پر عمل پیرا تھے، ظاہری و باطنی گناہوں اور منکرات سے کوسوں دور رہتے تھے، اور طویل عمر نصیب ہونے کے باوجود اپنے ریاضت ومجاہدوں اور اذکار وعبادات کی پوری طرح پابندی کرتے رہے۔

۳: بیان و عمل میں تکلف کا دخل نہ ہوتا تھا، جو کچھ کہنا یا کرنا ہوتا، صاف صاف کر جاتے، تصنع سے کام نہ لیتے تھے۔

۴: نیک اخلاق کے حامل تھے، لوگوں کے ساتھ بھی حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے، تواضع کی صفت خاص طور پر نمایاں تھی۔

۵: مال ودولت جمع کرنے کی عادت بالکل نہ تھی، چنانچہ بہت سا مال ہاتھ آتا رہا، لیکن ساتھ ہی ساتھ خرچ کرتے رہے، یہاں تک کہ انتقال کے وقت اپنے لئے ترکہ میں کفن تک نہیں چھوڑا۔

۶: عام معاشرے سے بالکل لاتعلق نہیں تھے بلکہ غریب ومسکین اور ضرورت مند افراد کی مدد بھی کرتے تھے۔

۷: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کاموں کی طرف لوگوں کو بلانا اور گناہوں سے لوگوں کو روکنا) کا خوب اہتمام کرتے تھے۔

تلامذہ وخلفاء

متعدد اہل علم نے آپ سے حدیث کی سماعت فرمائی ہے جن میں سے حافظ ابن نجار، ضیاء مقدسی اور ابن نقطہ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ جہاں تک آپ کی مریدین کا تعلق ہے تو وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں کیونکہ مریدین کی اصلاح و تربیت کو آپ نے اہم مقصد کے طور پر اپنایا تھا۔

علمی مآثر

آپ نے متعدد کتابیں تالیف فرمائی ہے جن میں سے نمایاں یہ ہیں:

الف: عوارف المعارف۔ اس کا موضوع علم تصوف وسلوک ہے اور یہ آپ کی سب سے مشہور و مفید کتاب ہے۔ اس کتاب میں کل تریسٹھ (۶۳) ابواب ہیں جن میں سے پہلے سات ابواب میں تصوف کا تعارف، اہمیت اور ضرورت وغیرہ گفتگو فرمائی ہے اور بعد کے ابواب میں مختلف ابواب وعادات، اوراد وعبادات اور بزرگان دین کے معمولات واقوال ذکر فرمائے گئے ہیں۔ دسیوں خانقاہوں اور مدارس میں یہ کتاب زیر درس رہی ہے۔

ب: جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب

ج: رشف النصائح الایمانیۃ وکشف الفضائح الیونانیۃ

د: اعلام الہدی وعقیدۃ ارباب التّقی

وفات

سن چھ سو بتیس ۶۳۲ھ کی پہلی ہی رات آپ اس فانی دنیا سے انتقال کر کے واصل بحق ہوئے اور بغداد ہی میں دفن ہوئے۔

ملفوظات

۱۔ فرمایا: صوفیہ نے علم دراست سے حصہ حاصل کیا، پس ان کو علم داست نے فائدہ عمل کا علم کے ساتھ دیا، پھر جب انہوں نے عمل کیا ان چیزوں پر جن کا انہیں علم ہوا، تو عمل نے ان کو علم وراثت کا فائدہ دیا، پس وہ عام علماء کے ساتھ دیگر علوم میں شریک ہیں اور زائد علوم کے سبب ان سے ممتاز ہو گئے اور وہ علوم وراثت ہے۔

۲۔ علم وراثت ہی "فقہ فی الدین" اور تفقہ کا مصداق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''سو کیوں نہیں نکلے ان کے ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت تا کہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور آگاہ کریں اور خوف دلائیں اپنی قوم کو جب کہ واپس ان کے پاس وہ آئیں''۔ لوگوں کو ڈرانا "فقہ" کا نتیجہ ٹھہرایا گیا ہے، لوگوں کو ڈرانا در حقیقت ان کو علم کے آبِ حیات کے ساتھ زندہ کرنا ہے اور یہ اسی شخص کا کام ہے جس کو دین میں "تفقہ" کا مقام حاصل ہو، لہٰذا "تفقہ" دین کا اعلیٰ مقام ہے اور فقیہ وہ شخص ہے جو دنیا کی طرف بالکل راغب نہ ہو، متقی و پرہیزگار ہو، اپنے علم کی وجہ سے انذار کے مقام کو پہنچا ہو۔

۳۔ فرمایا: حق سبحانہ و تعالیٰ نے فقہ قلب کی صفت قرار دی ہے، فرمایا ''لھم قلوب لا یفقھون بھا'' یعنی ان کے دل ایسے ہیں کہ آیات قرآنی کو ان کے ساتھ نہیں سمجھتے، پس جب کہ وہ فقیہ ہوئے، تو انہیں علم ہوا اور جب انہیں علم ہوا، تو عمل کیا اور

جب وہ عامل ہوئے تو معرفت حاصل کی اور جب عارف ہوئے تو ہدایت یافتہ بن گئے، لہٰذا جو شخص جس قدر زیادہ فقیہ ہوگا، اس کا نفس اتنا ہی دینی احکام وہدایات کو قبول کرنے والا اور اس کے سامنے جھکنے والا ہوگا۔

۴۔ فرمایا: سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ آدمیوں میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جس نے اپنے علم پر عمل نہیں یعنی دین کی کوئی ایک بات جانتا تھا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ سب سے بڑا عالم وہ ہے جس نے اپنے علم پر عمل کیا۔ لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے سب سے زیادہ عاجزی اور فروتنی کرنے والا ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے، لہٰذا عالم جب اپنی معلومات پر عمل نہ کرے تو وہ عالم ہی نہیں ہوا، پس ہوشیار کہ ایسے عالم بے عمل کی فصاحت بیان، زبان کی روانگی، مناظرہ ومجادلہ کی قوت سے دھوکے میں نہ آنا، اس لئے کہ وہ جاہل ہے، عالم نہیں ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل وکرم فرمائے کہ اسلام میں علم اپنے اہل کو ضائع نہیں کرتا اور ممکن ہے کہ عالم علم کی برکت سے عمل کی طرف پلٹ آئے۔

۵۔ فرمایا: علم فرض بھی ہے اور فضیلت بھی۔ فرض تو اس اعتبار سے ہے کہ اس کو جانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ فضیلت ضرورت سے زیادہ علم کو کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ جو کچھ قدر حاجت سے زیادہ حاصل ہو، وہ کتاب وسنت (اور جو کچھ علوم ا دونوں سرچشموں سے نکلے ہیں) کے موافق، ان کے سمجھنے میں مددگار ہوں یا ان کی طرف منسوب ہوں۔ جو کوئی ان علوم سے موافق نہ ہو خواہ وہ کیسا ہی علم ہو،

اس میں ذلت ہے ، فضیلت نہیں ہے، اس سے انسان خوار ہوتا ہے اور یہی دنیا واخرت کی فرومائیگی ہے۔

۶۔فرمایا: میں کہتاہوں کہ وہ علم جس کا حاصل کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے، وہ امر و نہی (حلال وحرام) کا علم ہے۔ جن امور کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے کرنے میں ثواب اور چھوڑنے میں عذاب وسزا ہے اور جن امور کی ممانعت فرمائی گئی ہے ان کے کرنے پر سزا ہے، پھر ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جو مستقل او دائمی نوعیت کی ہیں اور بعض احکام ایسے ہیں جو دائمی نہیں ہیں بلکہ کسی خاص شرط یا وقت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، پہلی قسم کی چیزوں کو جاننا تو بہر حال ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے جبکہ دوسری قسم کی چیزوں کا جاننا اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب ان کے اسباب پیدا ہو جائیں۔

۷۔فرمایا: ابو علی جوزجانی فرماتے ہیں کہ (اے صوفی): طالب استقامت بن، کرامت کا طالب نہ بن، ہر چند کہ تیرا نفس کرامت کا خواہاں ہے لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور یہ جو کچھ شیخ ابو علی جوزجانی نے فرمایا ہے، وہ اس مسئلہ میں ایک بڑی بات اور بنیادی اصول ہے، یہ ایک ایسا راز ہے جس سے اکثر اہل سلوک نے غفلت برتی ہے۔

۸۔فرمایا: کرامت کے طلب کرنے اور اس کی خواہش رکھنے کا سبب یہ ہے کہ تصوف میں سعی واجتہاد اور عبادت کرنے والوں نے سلف صالحین کے دلی رموز اور ان کی کرامات اور خرق عادات کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے، پس ان کے نفوس بھی ہمیشہ خرق عادت وکرامت کے خواستگار رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو

کچھ سلف صالحین کو اس سلسلے میں نصیب ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ ان کو مل جائے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالبان کرامت میں سے اکثر اس سے بہرہ مند نہیں ہوتے اور آخر کار شکستہ خاطر اور غمگیں ہو جاتے ہیں، اپنے نفس پر تہمت لگانا شروع کرتے ہیں کہ ہمارا عمل درست نہیں ہے ورنہ ہم کرامت و خرق عادت سے ضرور بہرہ مند ہوتے اور ہم سے کرامت ضرور سرزد ہوتی۔

۹۔ فرمایا: اگر ان لوگوں پر اس کی حقیقت ظاہر ہو جاتی اور وہ اس راز کو پا لیتے تو ان کی یہ مشکل حل ہو جاتی اور معاملہ آسان ہو جاتا، وہ جان لیتے کہ اللہ تعالی خرق عادات و کرامت کا دروازہ کبھی کبھی مجتہدین صادقین پر کھول دیتا ہے جس کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ وہ جب خرق عادات اور کرامات کے صدور کو اپنی ذات سے مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے یقین کو اور ترقی نصیب ہو جاتی ہے، پھر ترک دنیا کا عزم ان میں اور قوی ہو جاتا ہے اور حادثات دنیا سے نکل جانے کا ارادہ اور پختگی حاصل کر لیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعض بندے یہ مکاشفہ صرف یقین سے حاصل کرتے ہیں اور ان کے دل سے غیریت و بیگانگی کے پردے اٹھا دئے جاتے ہیں، بس اس کشف کی بدولت وہ کرامت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اصل مقصود و مراد تو یقین کا حاصل ہونا ہوتا ہے۔

۱۰۔ فرمایا: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء''

(اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں) اس ارشاد ربانی میں علماء کا ذکر ''انما'' کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اللہ سے نہیں ڈرتے، ان کے علم کا فائدہ نہیں ہے۔ میں یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ ایک شخص نے جس

وقت یہ کہا کہ ''انما یدخل الدار بغدادی'' (گھر میں صرف بغداد کا شخص ہی داخل ہو گا) اس کا معنی یہ ہے کہ غیر بغدادی کے لئے گھر میں داخل ہونا منع ہے یا سوائے بغدادی کے کسی دوسرے کا گھر میں آنا ممنوع ہے۔

۱۱۔ فرمایا: علمائے آخرت کے لئے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ زہد و تقوی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے قرب اور معرفت کے مقامات تک راہ نہیں مل سکتی، زہد تقوی کے بغیر یہ راستے مسدود ہیں۔ حضرت ابو یزیدؒ نے اپنے احباب سے فرمایا کہ کل رات میں صبح تک کوشش کرتا رہا کہ میں ''لا الہ الا اللہ'' کہوں لیکن میں اس کے کہنے پر قادر نہ ہو سکا۔ احباب نے دریافت کیا یہ کیسے ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ لڑکپن میں میں نے ایک کلمہ کہا تھا، تو اب اس کلمہ کی وحشت نے مجھے آلیا اور اس کلمہ کے کہنے سے مجھے روک دیا۔ پس یہ بات رکھنا چاہیے کہ صفائے تقوی اور دنیا سے کمال درجہ بے رغبتی رکھنے ہی سے بندہ علم میں راسخ ہوتا ہے۔

۱۲۔ فرمایا: انجیل میں آیا ہے کہ جو بات تم کو معلوم نہ ہو، اس کا علم اس وقت تک حاصل نہ کرو جب تک پہلے معلوم باتوں پر عمل نہ کرو۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ان الشیطان ربما یسوفکم بالعلم'' (شیطان بسا اوقات علم میں تم کو ٹالے گا) صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس طرح کہ یہ کیسے؟

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''یقول اطلب العلم ولا تعمل حتی تعلم'' (وہ کہتا ہے کہ علم طلب کرو اور عمل نہ کر یہاں تک کہ تو (مزید) علم حاصل

نہ کرے یعنی پہلے عالم بن جاؤ پھر عمل کرو) اس لئے بندہ ہمیشہ علم ہی حاصل کرتا ہے اور عمل کو ٹالتا رہتا ہے یہاں تک کہ مر جائے۔

۱۳۔ فرمایا: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہے بلکہ علم اللہ تعالیٰ کے خوف کا نام ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ صاحب علم و صاحب روایت کی پرواہ نہیں کرتا، اگر پرواہ کرتا ہے تو فہم و صاحبِ روایت کی کرتا ہے۔ تمام علوم وراثت علوم درایت سے نکلے ہیں، علوم درایت خالص دودھ کے مانند ہیں جو پینے والوں کے حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جاتا ہے اور علوم وراثت کی مثال مکھن کی ہے جو خالص دودھ سے نکلتا ہے، اگر دودھ نہ ہو تو مکھن ہی نہ ہوگا۔

۱۴۔ فرمایا: لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کی تھیں ان میں یہ نصائح بھی تھیں کہ اے بیٹے! عمل کی استطاعت یقین ہی کے ساتھ ہوتی ہے اور انسان عمل نہیں کرتا مگر اسی قدر جتنا کہ اس کا یقین ہے اور عامل عمل میں کوتاہی نہیں کرتا جب تک یقین میں کوتاہی نہ ہو، پس یقین علم سے افضل ہے کہ اس یقین نے اس کو عمل کی دعوت دی، ورنہ تو وہ عبادت و بندگی کا ارادہ ہی نہیں کرتا اور وہ ربوبیت کا حق ادا کرنے کھڑا نہ ہوتا۔ اس لئے یقین اور علم کا پورا پورا حصہ صوفیہ کے ساتھ اور علمائے زاہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہی سے ان صوفیہ اور علمائے زاہدین کا فضل اور ان کے علم کی برتری ثابت ہے۔

۱۵۔ فرمایا: حضرت شبلیؒ کے خادم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ تم نے ان کے انتقال کے وقت کیا دیکھا؟ خادم نے کہا کہ جب ان کی موت کا وقت قریب

آیااور ان کی زبان لڑکھڑا گئی اور پیشانی پر (موت) کا پسینہ آگیا، توانہوں نے اشارہ کیا کہ مجھے وضو کرادو، پس میں نے ان کو وضو کرایا لیکن میں ان کی داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا، توانہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میری انگلیوں کو اپنی داڑھی میں خلال کے لئے ڈال لیا۔ حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ فرماتے ہیں ہر وہ وجد (کیفیت) جو کتاب وسنت میں موجود نہیں ہے، وہ بے فائدہ ہے۔ یہ ہے صوفیہ کا حال اور ان کا طریقہ اس صورت کے علاوہ جو حال کا دعوی کرے، وہ جھوٹا اور گمراہ ہے۔

١٦۔ فرمایا: تصوف کی بابت صوفیائے کرام کے ہزاروں اقوال موجود ہیں جن کا یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں، ہم یہاں ایک ضابطہ بیان کئے دیتے ہیں جو تصوف کے معنی پر حاوی ہے، خواہ الفاظ مختلف ہوں لیکن معنیٰ ومقصود حاصل ہو جائے گا۔

١٧۔ فرمایا: صوفی وہ ہے جو اپنے اوقات کو ہمیشہ کدورت سے پاک رکھے، وہ دل کو نفس کی آمیزش اور گندگی سے ہمیشہ صاف کرتا رہتا ہے۔ اس صفائی میں اس کو اس بات سے مدد وسہولت پہنچتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مولی کا محتاج رہتا ہے، اس ہمیشہ کے فقر واحتیاج کے باعث وہ کدورتوں سے پاک رہتا ہے اور جب کبھی اس کا نفس جنبش میں آتا ہے اور اپنی غلط صفات میں سے کسی صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو صوفی اپنی گہری بصیرت سے معلوم کر کے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس طرح اس کو جمعیت حاصل رہتی ہے (اگر اس کو اپنے نفس کی اس جنبش پر قابو نہ ہو تو اس سے اس کی جمعیت میں تفرقہ پڑ جائے اور صفا میں کدورت پیدا ہو جائے) اس

طرح وہ اپنے رب کے ساتھ اپنے قلب پر اور اپنے قلب پر اپنے نفس پر (نگران) قائم ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے

"کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط"

ترجمہ: اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

یہی قوامیت نفس پر اللہ تعالی کے لئے بالتحقیق تصوف ہے۔

۱۸۔ فرمایا: جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں جب تم کسی درویش سے ملاقات کرو تو اس سے علمی گفتگو نہ کرو بلکہ نرم کلامی سے آغاز کرو، کیونکہ اگر علمی گفتگو شروع کردو گے تو اس کو وحشت ہونے لگے گی لیکن نرم کلامی کے ساتھ وہ تم سے مانوس ہو جائے گا۔ بہر حال صوفیہ حضرات جب مشتبہ افراد سے نرم کلامی اختیار فرماتے ہیں تو اس سے ایک طالبِ حقیقت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جو شخص مرتبہ میں جس قدر کامل اور علم سے مالا مال ہو گا، اسی قدر وہ مبتدیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک سے پیش آئے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ کے ساتھ ان کا ایک مرید طالب علم رہتا تھا، یہ بزرگ اس کی وجہ سے خوب خوب ریاضت کرتے اور مجاہدات میں مشغول رہتے تا کہ ان کا مبتدی مرید ان مجاہدات وریاضات کو اچھی طرح دیکھ لے اور ان سے ادب و اخلاق حاصل کرلے اور اپنے عمل میں ان کی اقتداء کرے۔ یہی وہ نرمی کا طریقہ ہے کہ جب اس کو کسی معاملہ میں اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی زیب وزینت بڑھ جاتی ہے۔

۱۹۔ فرمایا: ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم چاہو تو میں

تمہارے سامنے قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالی کو وہی افراد محبوب ہیں جو اس کے بندوں میں اللہ تعالی کی محبت کے جذبہ کو بیدار کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالی کا محبوب بنانے کی کوشش کرتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس (مقصد کی تکمیل) کے لئے سر گرم عمل ہوتے ہیں''۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وصف کا تذکرہ اپنے ارشاد میں فرمایا ہے یہ مرتبہ مشیخت اور دعوت الی اللہ کا ہے۔مشائخ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں اور خدا کے بندوں کا رشتہ خدا سے جوڑتے ہیں، خدا کی طرف دعوت دینے اور بلانے میں ان کی مساعی بارگاہ الہی میں قبولیت پاتی ہیں۔اسی بناء پر طریقہ تصوف میں شیخ کا مرتبہ ایک اعلی اور افضل مرتبہ ہے بلکہ دعوت الی اللہ میں وہ پیغمبروں کی نیابت کرتا ہے۔

۲۰۔فرمایا: اللہ تعالی نے حضرت داود علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ '' اے داؤد! جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو، تو اس کا خادم بن جاؤ''۔ایسا خادم بزرگوں کی خدمت محض اس ثواب کے لئے کرتا ہے جو اللہ تعالی نے نیک بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔خادم اللہ والوں کو آرام پہنچانے اور ذریعہ معاش سے فارغ و بے نیاز کرنے کے لئے ان کی خدمت کرتا ہے۔وہ اس سلسلہ میں جو کام کرتا ہے وہ نیک نیتی کے ساتھ محض اللہ تعالی کے لئے کرتا ہے، پس جس طرح شیخ اللہ تعالی کی مراد اور منشاء سے واقف ہے اسی طرح خادم بھی اپنی نیت سے واقف ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے محض اللہ کے لئے کرتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح شیخ جو کچھ کرتا ہے محض اللہ کے لئے کرتا ہے۔

۲۱۔ فرمایا: دونوں میں فرق یہ ہے کہ شیخ مقربینِ بارگاہ کی منزل پر فائز ہے اور خادم (صوفیہ) نیک لوگوں کے مقام پر۔ خادم بذل وایثار خدمت اور غیروں کے غیر سے بھی نرمی کا برتاؤ اختیار کرتا ہے اور اپنا سارا وقت بندگان الٰہی کی خدمت میں صرف کر دیتا ہے، وہ اپنے اس کام کو نوافل اور اعمال حسنہ پر ترجیح دیتا ہے۔ خادم کی یہ خدمت، بذل وایثار دیکھ کر بہت سے لوگ، جو خادم اور شیخ کے حقیقی فرق سے آشنا نہیں ہیں، خادم کو شیخ کا ہم مرتبہ سمجھنے لگتے ہیں اسی طرح بعض خادم بھی اپنے مرتبہ سے ناواقف ہو کر خود کو شیخ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمارے اس زمانے میں علوم تصوف اور علوم متداولہ میں کمی آگئی ہے اور بہت سے مشائخ اور فقراء نے لقمہ پر قناعت پر اختیار کرلی ہیں، چنانچہ ان کا یہ خیال ہے جو زیادہ لقمے کھلاتا ہے وہ شیخ بننے کا زیادہ مستحق ہے لیکن انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا شخص خادم صوفیہ ہے، شیخ نہیں ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ خادم کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ خادم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقام حاصل ہے۔

۲۲۔ فرمایا: ہم نے بعض ایسے مشائخ بھی دیکھے ہیں کہ وہ مریدوں کو خرقہ نہیں پہناتے اور بہت سے حضرات ان سے بغیر خرقہ ہی کے آداب سلوک حاصل کرتے ہیں اور علوم معرفت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ بزرگان سلف میں اکثر مشائخ خرقہ پہنانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے چنانچہ وہ اپنے مریدوں کو خرقہ نہیں پہناتے تھے، پس جو مشائخ خرقہ پہناتے ہیں ان کا مقصد بھی نیک ہے اور عمل صحیح ہے، اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اور شریعت میں موجود ہے اور جو نہیں پہناتے ان کا طریقہ بھی درست ہے اور ان کا مقصد بھی نیک ہے۔ مشائخ خواہ کوئی

طریقہ اختیار کریں، ان کے تصرفات صحیح اور ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کی نیت نیک و صالح ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اور ان کے آثار سے خلق خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۲۳۔ فرمایا: تمام صوفیہ کے لئے یہ ایک لازمی اور ضروری وظیفہ ہے کہ وہ جمعیتِ خاطر کی بھرپور حفاظت کریں، دلوں میں پراگندگی پیدا نہ ہونے دیں، دلی اور روحانی اتحاد سے اس پراگندگی کا ازالہ کر دیں، اس لئے کہ وہ سب ایک روحانی رشتہ میں منسلک ہیں اور تالیف الٰہی کے رابطہ سے باہم مربوط ہیں، مشاہدہ قلوب کے ساتھ وابستہ ہیں بلکہ خانقاہوں میں ان کی موجودگی ہی اس لئے ہے کہ تزکیہ قلب اور آراستگی نفس حاصل ہو اور اسی بنا پر ان کے مابین ربط وضبط کا سلسلہ قائم ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے باہمی خیر سگالی اور محبت و رافت اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' مومن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آتے ہیں، اور اس شخص میں کچھ بھلائی نہیں، جو نہ خود دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں''۔

۲۴۔ فرمایا: صادق و مخلص فقیر جو خانقاہ میں مقیم ہے اور چاہتا ہے کہ خانقاہ کے مال وقف سے یا اس مال سے جو اہل خانقاہ کے لئے در در سے اکٹھا کیا جاتا ہے، کھائے، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کے ذکر میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ اگر وہ روزی کماتا تو ایسا ذکر اس کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ اگر خانقاہ میں اس کو اوقاتِ فرصت میسر ہیں یا وہ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہتا ہے اور وہ اہل

باطن کی طرح ریاضت اور محنت کے فرائض پورے نہیں کر رہا، تو ایسے درویش کو خانقاہ کے مال وقف سے یا دوسرے ذرائع سے جو مال خانقاہ کے لئے آیا ہے، اس سے کھانا روا نہیں۔ اس کو خود اپنے لئے روزی کمانا چاہیے، اس لئے کہ خانقاہ کا کھانا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو یاد الٰہی میں اس طرح مصروف و مستغرق ہوتے ہیں کہ دوسرے کاموں کی ان کو فرصت ہی نہیں اور وہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اپنے مولی کی یاد میں مصروف ہیں، اس لئے دنیا والے ان کی خدمت کرتے ہیں۔ البتہ اگر ایسا شخص ہے جو پیر طریقت سے استفادہ کر رہا ہے اور اس کی زیر تربیت ہے اور اس کی ہدایت سے راہ راست پر گامزن ہے، اس کے بارے میں اگر شیخ کی رائے ہے کہ اس کو خانقاہ سے کھانا دیا جائے تو شیخ کا فیصلہ ضرور کسی بصیرت پر مبنی ہوگا بشرطیکہ یہ خیال بھی ہو کہ اس کو فقیروں کی خدمت میں لگا دیا جائے گا، ایسی صورت میں خادم جو کھانا کھا رہا ہے وہ اس کہ خدمت کا معاوضہ سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مشائخ عظام نوخیز نوجوانوں کو خدمت پر معمور کر دیتے ہیں تاکہ وہ بدکاری سے محفوظ رہے، اس طرح ان کو دو حصے مل جاتے ہیں ایک حصہ معاملے کا، دوسرا حصہ خدمت کا۔

۲۵۔ فرمایا: ہم کو کسی نیک بندے کی یہ بات پہنچی ہے کہ جب درویش کا نفس کسی چیز کا خواہش کرتا ہے یا اس میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا یہ مطالبہ یا خواہش یا تو اس رزق کے لئے ہوگی، جو عنقریب اللہ تعالی کی طرف سے اس کو پہنچنے والا ہے اور اس خواہش کے وقت درویش کو اس کا علم ہو گیا تھا اس لئے درویشوں کے نفوس اکثر ان باتوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں، جو وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہے اور

ہونے والی باتوں سے ان کو خبردار کر دیا جاتا ہے، یا یہ خواہش نفس کسی گناہ کی عقوبت اور سزا ہوتی ہے جو اس سے سرزد ہوتی ہے۔

لہٰذا جب فقیر کو یہ بات معلوم ہو اور اس کا نفس اس چیز کا بار بار مطالبہ کرے تو اس وقت فقیر کو چاہیے کہ اٹھے اور اچھی طرح وضو کرے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ الٰہی! اگر یہ مطالبہ نفس کسی گناہ کی سزا ہے تو میں تجھ سے بخشش اور مغفرت کا طالب ہوں، میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔اور اگر میرے نفس کا یہ مطالبہ اور خواہش اس رزق کے لئے ہے جو تو نے میرے لئے مقدر کر دیا ہے تو پھر اس کو جلد میرے پاس پہنچادے، پس اگر رزق اس کی قسمت میں ہو تو اللہ تعالیٰ جلد اس کے پاس پہنچادے گا، ورنہ اس کے باطن سے یہ خواہش رخصت ہو جائے گی۔

٢٦۔فرمایا: فقیر کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجتیں پیش کرے، تو اللہ تعالیٰ یا تو وہ چیزیں اس کو عطا فرمادے گا یا ان کی خواہش اس کے دل سے دور کر دے گا یا اس کو ان خواہشوں پر صبر عطا فرمادے گا۔خداوند بزرگ و برتر ہی کے لئے حکمت و قدرت کے بہت سے دروازے ہیں، وہ ان دروازوں میں سے حکمت و تدبیر کا دروازہ کھول دے گا یا قدرت کی راہ سے فتح یاب فرمادے گا اور بطور خرقِ عادت اس کے پاس کچھ نہ کچھ پہنچ جائے گا، جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کے پاس پہنچ جاتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ” جب کبھی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس آتے تھے محراب (عبادت خانہ) میں، تو ان کے پاس

رزق موجود پاتے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک بار پوچھا! اے مریم یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے پہنچا؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے''۔

۲۷۔ فرمایا: تصوف کی بنیاد صداقت پر رکھی گئی ہے خواہ کوئی حالت ہو (وہ صدق سے خالی نہیں ہوتی) پس ایک طالب صادق کو خلوص نیت کے ساتھ سماع کی محفل میں حاضر ہونا چاہیے، لازم ہے کہ اس محفل میں نفسانی خواہشات سے پرہیز کرے بلکہ اس کو یہ توقع رکھنا چاہئے کہ یہاں آکر وہ مزید روحانیت حاصل کرے گا، پس جب وہ محفل میں شریک ہو تو سچائی متانت اور وقار کو ہر طرح باقی رکھے گا۔

۲۸۔ فرمایا: ایک نوجوان حضرت جنید بغدادیؒ کے ساتھ رہتا تھا جب کبھی وہ سماع سنتا تھا تو چیختا تھا اور اس کی حالت بالکل غیر ہو جاتی تھی، ایک روز حضرت جنیدؒ نے اس سے فرمایا اگر آئندہ تم سے سماع میں ایسی حرکت سرزد ہوئی تم کو میری صحبت چھوڑنے پڑے گی، آپ کی اس ہدایت کے بعد اس نے ضبط کرنا شروع کیا، جب وہ اس طرح اپنی چیخ کو ضبط کرتا تھا تو اس کے ہر عضو سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے، آخر کار اس نے ایک دن (محفل سماع) میں ایک چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ بات سچائی سے بعید ہے کہ حقیقی وجد کے بغیر وجد کا اور بغیر حال کا دعوی کیا جائے بلکہ یہ تو عین نفاق ہے۔

۲۹۔ فرمایا: کچھ لوگوں نے خلوت نشینی اور چلہ کشی کے معاملہ میں فاش غلطی کی ہے اور غلط روش کو اپنایا ہے اور انہوں نے اس سلسلہ کلمات میں تحریف کی ہے اور الفاظ کو غلط معانی پہنائے ہیں گویا شیطان نے ان کے نفس پر غرور کا دروازہ کھول دیا ہے اور وہ اس اخلاص کے بغیر جو خلوت نشینی کا حق ہے، خلوت میں جا کر بیٹھ

گئے ہیں۔ان لوگوں نے یہ سن لیا تھا کہ مشائخ کبار اور صوفیائے عظام سے خلوت نشینی کے موقع پر خلاف عادت عجیب وغریب واقعات ظاہر ہوتے ہیں، پس اسی چیز کو وہ حاصل کرنے کے لئے خلوت گزیں ہوتے ہیں لیکن یہ ایک روحانی بیماری اور سراسر گمراہی وضلالت ہے،ہاں یہ درست ہے کہ صوفیائے کرام نے خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو محض اپنے دین کی حفاظت ،احوال نفس کی جستجو اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت بجالانے کے لئے اختیار کیا ہے۔

۳۰۔فرمایا: پس ایک طالب صادق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ خلوت سے مقصود حق تعالیٰ کا تقرب ہے،کہ اس کے تمام اوقات اچھے کاموں میں بسر ہوں(صرف میں تنہائی میں بیٹھ جانا کافی نہیں ہے بلکہ شرط یہ ہے کہ خلوت کے تمام اوقات ،طاعت وعبادات اور اعمال حسنہ میں بسر ہوں) وہ اپنے اعضاء وجوارح کو مکروہات سے محفوظ رکھے۔خلوت نشینوں کے لئے اوراد، تقسیم اوقات اور مداومت اذکار ان کے احوال سے غائب ہوتی ہے(ہر ایک کے لئے لائحہ عمل یکساں نہیں)، بعض اصحاب کے لئے صرف ایک ذکر کا ورد ہی موزوں اور مناسب ہوتا ہے اور بعض کے لئے مراقبہ پر دوام کافی ہوتا ہے،کچھ حضرات کے لئے اذکار کے بعد اوراد اور کچھ حضرات کے لئے اوراد کے بعد اذکار کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔

۳۱۔فرمایا:اس فرق مراتب کا علم ایک شیخ کامل کو ہوتا ہے(وہ مریدوں کے احوال اور ان کی استعداد سے باخبر ہوتا ہے)ورنہ عام طور پر شیخ کا مطمع نظر عوام کی خیر خواہی ہوتی ہے اور وہ ان کے لئے ہمدردی کا جذبہ دل میں رکھتا ہے،وہ تو لوگوں کو اپنا نہیں بلکہ خداوند قدوس کا مرید(تابع فرمان) بنانا چاہتا ہے یعنی اس کی

خواہش میں شائبہ نفس نہیں ہوتا، بلکہ وہ اتباع کو پسند کرتا ہے اس میں فساد راہ نہیں پاتا بلکہ مزید اصلاح ہو جاتی ہے۔

۳۲۔ فرمایا: واضح رہے کہ کسی کے لئے زمین کا سمیٹ جانا وغیرہ (کرامتیں) اگر باعث فضیلت بات ہوتی، تو تمام پیغمبر (علیہم السلام) اس فضیلت کو ضرور حاصل کرتے اور رسول اکرم ﷺ اس خصوصیت اور اس عمل کو اس کی انتہائی بلندیوں تک پہنچاتے مگر اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ امر بھی فضیلت میں داخل ہے کہ عنایاتِ خداوندی اور فضلِ ایزدی کے حصول صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ روزانہ کھانے والا اس شخص سے افضل ہو، جو چالیس دن تک فاقہ کش رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا شخص جس کو کشف نہیں ہوتا اس شخص سے بدرجہا افضل و بہتر ہو جس کو کشف ہوتا ہے۔

۳۳۔ فرمایا: صوفیائے کرامؒ کو اقتدائے رسول اللہ ﷺ میں اور لوگوں سے زیادہ حصہ ملا ہے اس لئے احیاء سنت کے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں، حسن اقتداء اور احیاء سنت ہی نام ہے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے متصف ہونے کا۔

۳۴۔ فرمایا: حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق کو عظیم اور اعلیٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ شیخ واسطیؒ نے فرمایا کہ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حق تعالیٰ کے لئے دونوں جہاں کی بجائے قرآن اختیار کر رکھا تھا، جہان سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا۔ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اخلاق سے لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کا التزام فرمایا لیکن اپنے کے دل کے ساتھ ان سے علیحدہ رہے،

یہی وہ بات ہے جو بعض صوفیہ نے تصوف کی حقیقت اور اس کے معنی میں بیان کی ہے یعنی: ''الخلق مع الخلق والصدق مع الحق'' (مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق اور اللہ کے ساتھ خلوص)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ کے "خلق" کو اس وجہ سے عظیم کہا گیا ہے کہ تمام مخلوقات آپ کی نظر میں خالق کائنات کے مشاہدہ کے باعث صغر و حقیر ہو گئی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا "خلق" اس لئے عظیم ہے کہ اس میں تمام اچھے اخلاق اور خصائل جمع تھے۔

۳۵۔ فرمایا: عقل مند مشائخ جانتے ہیں کہ انسان کے نفس میں یہ پوشیدہ بیماری (بڑائی اور کبر) موجود ہے، اس لئے وہ تواضع کی تشریح میں اس قدر بڑھ گئے کہ اس کو ذلت کی حد تک پہنچایا، تاکہ اس کے ذریعے وہ مریدوں کے نفوس کی سرکشی کا علاج کر سکیں اور پھر رفتہ رفتہ ان کو تواضع کی حد اعتدال پر پہنچادیں، لیکن اس طرح کہ اپنے اصلی درجہ سے ذرا کم درجے پر رہیں، کہ جب نفس سرکشی سے محفوظ ہو جاتا ہے تو پھر وہ بغیر کسی کمی و بیشی کے اپنے اصل مقام پر برقرار رہتا ہے۔ انسانی نفس چونکہ آگ سے متاثر ہوا ہے اور وہ ایک ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنا ہے، اس لئے اس کی سرشت میں سرکشی داخل ہے، آگ چونکہ جوہر علوی ہے اس لئے نفس بھی سربلندی کی طرف ہمہ وقت مائل رہتا ہے، لہذا مشائخ کرام نے تواضع ہی کے ذریعہ اس کا علاج مناسب سمجھا اور اس کو اس کے اصل مقام سے بہت ہی کم درجہ پر گرادیا تاکہ غرور و تکبر اس پر متاثر نہ ہو سکے اور اس کے نفس راستہ نہ پاسکے۔

۳۶۔ فرمایا: "کبر" انسان کے اس خیال اور گمان کو کہتے ہے کہ وہ دوسروں سے بڑا ہے اور اس کے اظہار کو "تکبر" کہتے ہیں۔ "کبر" ایک صفت ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور میں موجود نہیں ہے، اگر مخلوقات میں سے کوئی اس اس صفت سے متصف ہونے کا دعویٰ کرے، تو وہ جھوٹا ہے۔ "کبر" انسان میں حقیقتاً غرور اور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے اور خود پسندی اپنی اچھائیوں کی حقیقت نہ پہچاننے سے پیدا ہوتی ہے۔

۳۷۔ فرمایا: صوفیہ کا اہم اخلاقی فعل "مدارات" اور "تحمل" ہے جس کی بدولت وہ مخلوق کی اذیت کو برداشت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تحمل کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ یہودیوں کے درمیان آپ نے ایک صحابیؓ کو مقتول پایا، آپ نے ان پر تاوان نہ ڈالا، اللہ کے حکم سے قدم آگے نہیں بڑھایا اور اس قتل کی دیت بھی اپنے پاس سے ادا کی، حالانکہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کے لئے اس وقت ایک اونٹ بھی بہت اہم تھا تاکہ ان کی بے سر وسامانی کچھ کم ہوسکے، آپ ﷺ کے اچھے برتاؤ کے یہ عالم تھا کہ کبھی کھانے کو برا نہیں کہا۔

پس ہر ایک کے ساتھ خواہ وہ ہمسایہ ہو یا دوست یا اپنے اہل وعیال ہوں یا عام مخلوق، تواضع سے پیش آنا صوفیہ کی اخلاقی خصوصیت ہے۔ اسی طرح تحمل اور دوسروں کی اذیت برداشت کرنے سے نفس کا جوہر کھلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر شے کا ایک جوہر ہے اور انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر و تحمل ہے۔

۳۸۔ فرمایا: صوفیائے کرام کا ایک خلق ''ایثار و مساوات'' بھی ہے اس جذبہ پر ان کو ایمانی قوت، رحم اور شفقت آمادہ کرتی ہے، جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے، صوفی اس کو دیدیتے ہیں، جو چیز نہیں ہوتی اس پر صبر کرتا ہے۔

۳۹۔ فرمایا: شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا، ہوا یوں کہ وہ نوجوان حج کے سفر میں ہمارے پاس آیا تھا، اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ زہد کسے کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا ''کہ ہمیں جو کچھ مل جاتا ہے وہ کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں'' اس نوجوان نے کہا ''کہ ہمارے بلخ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں''۔ یہ سن کر میں نے پوچھا، تمھارے نزدیک زہد کیا ہے؟ اس نے کہا ''جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اس کو ایثار کرتے ہیں''۔ اس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہو گیا۔

۴۰۔ فرمایا: "ترک تکلف" اور "سادگی" بھی صوفیہ کے اخلاق میں سے ہے اس لئے کہ تکلف نام ہے تصنع اور بناوٹ کا یعنی محض دوسروں کی خاطر نفس پر بے جا دباؤ ڈالنا، اس سے تکلف پیدا ہوتا ہے جو صوفیہ کے (پاکیزہ) احوال کے بالکل منافی ہے بلکہ بعض صورتوں میں تو ایک طرح سے تقدیر سے ٹکراؤ اور اللہ تعالیٰ سے عدمِ رضا کا شائبہ اس کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ تصوف نام ہے ترک تکلف کا، کیونکہ تکلف سراسر تخلف (پیچھے رہنا) ہے یعنی صادقین کی شان سے تخلف، تکلف ہے۔

۴۱۔ فرمایا: صوفیہ کے اخلاق میں سے ایک "قناعت" بھی ہے یعنی دنیا کی تھوڑی سی چیز پر صبر کرنا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے قناعت

اختیار کی اس کو اہل زمانہ سے آرام حاصل ہوا اور اس نے اپنے عہدوں پر غلبہ پالیا۔ جناب بشر بن حارث کہتے ہیں کہ قناعت میں بجز عزت کے اگر اور فائدے نہ بھی ہوتے تو صاحب قناعت کے لئے یہی بہت کافی تھا۔ جناب بن جمال کہتے ہیں طمع آزاد بندے کو بھی تو قیدی بناتا ہے جبکہ قناعت قید سے قیدی کو آزادی دلاتی ہے۔ بعض صوفیہ کا ارشاد ہے کہ جس طرح تو قصاص کے ذریعہ اپنے دشمن سے بدلہ لیتا ہے اس طرح قناعت کے ذریعے حرص سے انتقام لے لے۔ شیخ ابو بکر فراغی فرماتے ہیں کہ دانا وہ ہے جس نے قناعت اور سوچ بچار سے دنیاوی امور کی تدبیر کی اور حرص و عجلت کے ساتھ اخروی امور کا اہتمام کیا۔ یحی بن معاذؒ نے فرمایا ہے جو اپنے رزق پر قانع ہو گیا وہ آخرت کو حاصل کر لے گا اور اس کی زندگی بھی اچھی طرح گزرے گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں "قناعت ایسی تلوار ہے جو کبھی نہیں اچٹتی" (جس کا وار خالی نہیں ہوتا)۔

۴۲۔ فرمایا: احسانات پر شکر گذاری کرنا بھی صوفیہ کا ایک خلق ہے۔ وہ احسان کرنے پر اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اس کے لئے دعا کرتے ہیں، باوجود یہ کہ ان کو اپنے پروردگار پر مکمل اعتماد اور اس کی قدرت پر کامل توکل ہوتا ہے، ان کے عقیدہ توحید میں کسی قسم کی کوئی کدورت نہیں ہوتی، دوسروں سے انہوں نے قطع نظر کر رکھی ہے، یعنی وہ دوسروں سے امداد چاہتے ہیں نہ دوسروں سے امید رکھتے ہیں کیونکہ ایسا کرنا عقیدہ توحید کے منافی اور شان توکل کے خلاف ہے اور جو نعمتیں ان کو حاصل ہوتی ہیں ان کو عطیہ خداوندی سمجھتے ہیں کہ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہوتی ہے، جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مجھ پر انسانوں میں سے کسی کے احسانات اور حقوق صحبت ہیں اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (ضرور دوست) بناتا'' اس سلسلہ میں مزید فرمایا ''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال سے زیادہ کسی کے مال سے مجھے نفع نہیں پہنچا''۔

۴۳۔ فرمایا: صوفیہ کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور تصوف کے ساتھیوں کی حاجت پورا کرنے کے لئے صرف مال ہی نہیں بلکہ اپنا جاہ ودبدبہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص علم رکھتا ہو، نفس کے عیوب، اس کی آفات اور خواہشات سے آگاہی رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے اثر سے کام لے کر اور اپنے رسوخ کو استعمال کر کے مسلمانوں کی حاجت روائی کرے، ان کی ضرورتوں کو پورا کرے اور ان کی اصلاحِ حال میں مددگار ثابت ہو، اس صورت میں علمی تبحر کی ضرورت ہے، کیونکہ ایسے کاموں کو مخلوق کی معاشرتی زندگی سے تعلق ہے لہذا اس مقصد میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو بلند پایہ صاحب معرفت اور ایک عالم ربانی ہے۔

۴۴۔ فرمایا: حضرت زید بن اسلم سے منقول ہے کہ اللہ کے ایک نبی بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے تھے، ان کا یہ طرز عمل اس لئے تھا کہ اس طرح خلق خدا کی حاجتیں پوری کیا کرتے تھے۔ شیخ عطاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مدتوں غیر مخلصانہ اعمال کے ذریعہ ایسا مرتبہ حاصل کرلے جس کے نتیجہ میں ایک مسلمان خوشگوار زندگی بسر کرے، تو یہ بات اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ اپنی ذات کی نجات کے لئے مخلصانہ عمل کرتا رہے۔

۴۵۔فرمایا: تمام آداب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے اسلام میں اخذ کئے گئے ہیں ۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں ہر طرح کے آداب جمع تھے۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں آپ کے حسن ادب کا ذکر فرمایا ہے: ''مازاغ البصر وماطغی''(آپ کی نگاہ نہ بہکی نہ حد ادب سے اس نے تجاوز کیا)۔

۴۶۔فرمایا: اللہ تعالی نے توجہ اور عدم توجہ دو حالتوں میں آپ کے قلب پاک کی اعتدال کی کیفیت سے خبر دی ہے کہ آپ نے ماسوااللہ سے منہ پھیرا اور اللہ کی طرف توجہ فرمائی ،آپ ﷺ نے تمام زمینوں یعنی دار فانی کے خطوط کو ترک فرمادیا اور اسی طرح آسمانوں اور دار آخرت کے فوائد کو بھی پس پشت ڈال دیا اور جن چیزوں سے آپ ﷺ نے اعراض فرمایا کبھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور نہ کبھی اس پر افسوس ہوا کہ اعراض کے باعث وہ چیزیں غائب ہو گئیں اور آپ کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔

۴۷۔فرمایا: روزے کے آداب کے سلسلہ میں صوفیہ کرام کا نصب العین یہ رہا ہے کہ ظاہر و باطن کو قابو رکھتے ہیں، اعضاء جوارح کو گناہوں سے باز رکھتے ہیں، جس طرح کھانے سے نفس کو روکا جائے اسی طرح افطار کے اہتمام سے باز رکھا جائے۔

۴۸۔فرمایا: عراق کے بعض نیک لوگوں کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ ان کا اور ان کے اصحاب کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ روزہ رکھتے تھے تو جو کچھ آسانی کے ساتھ ان کو میسر آجاتا ہے اسی سے وہ افطار کرتے تھے اور اسی پر اکتفا کرتے تھے

،مرید کے لئے یہ کسی طرح بھی روااور جائز نہیں ہے کہ مرید مباح چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور گناہ آلود چیزوں سے اپنا روزہ افطار کر لے۔

۴۹۔ فرمایا: صوفی حسن نیت سے آراستہ ہوتا ہے اس کا مقصد اور علم درست ہوتا ہے ،اس لئے وہ آداب کی پابندی کرتا ہے ، جس کی وجہ سے اس کی تمام عادات عبادات بن جاتی ہیں۔ اس طرح صوفی کا نہ صرف تمام وقت اللہ تعالی کے لئے وقف ہوتا ہے بلکہ اس کی تمام زندگی ہی اللہ تعالی کے لئے ہبہ ہوتی ہے ، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا:

''قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین''

ترجمہ: اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی اور میری زندگی اور موت تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے ہے۔

چونکہ صوفی ضرورت بشریہ کا محتاج ہے اس لئے عادات سے متعلق چیزیں اس کے کاموں میں خلل انداز ضرور ہوتی ہیں لیکن اس کی بیدار مغزی اور حسن نیت ان عادتوں کو محصور کر لیتی ہیں اس وقت اس کی عادتیں منور ہو کر عبادات کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ ''عالم کی نیند عبادت ہے اور اس کا سانس لینا تسبیح ہے'' نیند سراپا غفلت بلکہ عین غفلت ہے لیکن ہر وہ چیز جو عبادت میں ممد ومددگار ہو وہ عبادت میں داخل ہے۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھانا بھی ایک اہم معاملہ ہے ،اس کے لئے بھی بہت کچھ معلومات کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ دینی اور دنیاوی فوائد پر مشتمل ہے، کھانے کا تعلق جسم اور قلب دونوں سے ہے۔

۵۰۔ فرمایا: شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر اس چیز کو جو نصیب میں رکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھا جائے، سوائے ان چیزوں کے جو دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں، اسی لئے اللہ تعالی اپنے بندے کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے حق میں ایک نعمت ہے، خواہ وہ جلد سمجھ میں آئے (یا بدیر) خواہ وہ بظاہر تکلیف ہو اور انجام کار وہ نعمت ہو۔ اس ظاہری تکلیف کے ذریعہ یا تو بندے کا درجہ بلند ہوتا ہے، یا گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، پس اگر انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا رب اس سے زیادہ اس کا خیر خواہ اور اس کے مصالح اور بھلائیوں کا جاننے والا ہے تو وہ شکر کا حق بجالایا (اس نے منعم کا شکر ادا کیا)۔

۵۱۔ فرمایا: خوف اور رجاء ایمان کے لئے دو بازوؤں کی طرح ہیں، یعنی امید کے ساتھ خوف اور خوف کے ساتھ امید کا ہونا ضروری ہے، اس لئے خوف کا موجب ایمان ہے اور ایمان ہی سے امید قائم رہ سکتا ہے، اس لئے دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

۵۲۔ فرمایا: ایمان خوف کا باعث ہے، اس سلسلہ میں جناب لقمان کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند سے کہا کہ: "اے بیٹے: اللہ کا خوف اس طرح کرو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور اس کے خوف سے زیادہ اس سے امید رکھو" فرزند لقمان نے کہا کہ مجھ سے یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ میرے سینے میں ایک ہی دل ہے؟ لقمان نے کہا "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مرد مومن کے (سینے میں) دو دل ہوتے ہیں ایک دل سے وہ خوف کرتا ہے اور دوسرے دل سے امید رکھتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں کا تعلق ایمان سے ہے"۔

۵۳۔ فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ انسان توکل اس قدر ہی کرتا ہے جتنا اس کو وکیل کے بارے میں علم ہوتا ہے، لٰہذا توکل بقدرِ علم ہوتا ہے اور جو صحیح معنٰی میں توکل کرتا ہے، اس کے لئے وکیل کو دیکھنا کافی ہوتا ہے۔ جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو آدمی جان لیتا ہے کہ جس شخص کو جو کچھ ملتا ہے وہ بالکل مبنی بر انصاف اور مناسب ہوتا ہے۔

۵۴۔ فرمایا: جن لوگوں کی نظریں غیر اللہ کی طرف اٹھتی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نفس میں جہل (معرفت خداوندی کی ضد) موجود ہے اگر ان کو کسی ایسی چیز کا احساس ہو جائے جو ان کے توکل کی راہ میں رکاوٹ ہو اور اس سے توکل میں خرابی پیدا ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا سرچشمہ اس کا نفس ہے۔ اس طرح توکل کا نقصان نفس کے ظہور کا باعث ہوتا ہے اور اس میں کمال انسانیت کی فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے، پس وہ لوگ جو روحانیت میں طاقتور ہوتے ہیں وہ اپنے توکل کی درستی کی طرف اس قدر توجہ نہیں کرتے بلکہ وہ مراد قلب کو تقویت پہنچا کر نفس کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، اس طرح جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو جہل کا مادہ بھی خود بخود فنا ہو جاتا ہے اور توکل اس طرح درست اور صحیح ہو جاتا ہے کہ بندہ حق اس سے باخبر بھی نہیں ہوتا، پھر بھی اگر احیاناً نفسانیت کا باقی ماندہ اثر تحریک پیدا کرتا ہے تو ان کا ضمیر فوراً اس ارشاد الٰہی پر غور و فکر کرتا ہے۔

”ان اللہ یعلم ما یدعون من دونہ شیء“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے وہ اللہ کے سوا جس کسی کو پکارتے ہیں۔

۵۵۔ بہر نوع جب حق تعالی کا وجود تمام اعیان واکوان (موجودات) پر غالب آجاتا ہے تو وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ تعالی سے جدا ہو کر بذات خود کوئی وجود نہیں رکھتی۔ ایسے موقع پر اضطراری طور پر توکل کا صحیح مفہوم اس کی سمجھ میں آجاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ کمزور روحانی طاقت والوں کی طرح دنیا کے اسباب ووسائط اس کے پائیدار توکل میں کمزوری پیدا نہیں کر سکتے جس طرح کمزور روحانی طاقت والوں کے توکل میں وہ کمزوری پیدا کر دیتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی نگاہ میں اسباب ووسائط بالکل مردہ اور بے جان ہیں اور توکل کے بغیر دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے، یہی توکل اہلِ معرفت میں سے خاص لوگوں کا ہے۔

۵۶۔ فرمایا: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی تسلیم ورضا کے فرش پر فروکش ہوا، وہ پھر کوئی تکلیف اللہ کی طرف سے نہیں دیکھتا (اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی) اور جو سوالی بن کر بیٹھتا ہے، وہ کسی حالت میں اللہ سے راضی نہیں ہوتا۔

۵۷۔ فرمایا: شیخ یحیٰؒ فرماتے ہیں کہ رضا کے سلسلہ میں تمام باتیں ان دو بنیادوں کی طرف آتی ہیں: ایک تو یہ کہ خدا تمہارے کے ساتھ کیا کرتا ہے؟ دوسری یہ کہ تمہاری روش خدا کے ساتھ کیا ہے؟ پس تمہارا عمل یہ ہونا چاہئیے کہ تم خداوند تعالی کے فعل پر راضی ہو کر اپنے کاموں پر خلوص اختیار کرو۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو راضی برضائے الٰہی ہے وہ اس پر کبھی غم نہیں کرتا کہ دنیا سے اس کو کچھ نہیں ملا اور نہ ان چیزوں کے ضائع ہونے پر پشیمان ہوا۔

۵۸۔فرمایا: شیخ یحیٰ بن معاذؒ سے کسی نے پوچھا کہ بندہ مقام رضا پر کب پہنچتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اپنے معاملات میں درج ذیل چار باتوں کا دھیان نہ رہے:

۱: الٰہی جو کچھ تو مجھے عطا فرمائے مجھے قبول ہے۔

۲: اگر تو مجھے عطا نہ فرمائے تو میں اس پر بھی راضی ہو۔

۳: اگر تو مجھے چھوڑ دے تو جب بھی میں تیرا بندہ ہوں۔

۴: اگر تو مجھے قبول فرمائے تو میں ہمہ وقت حاضر ہوں۔

۵۹۔فرمایا: سالم بن عبد اللہؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا ''اے عمر! یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بندہ کی نیت کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندے کی نیت کامل ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہوتی ہے اور اگر نیت میں قصور و کوتاہی ہے تو اس کی مدد بھی اس قدر نامکمل ہو گی''۔

۶۰۔فرمایا: ایک بزرگ نے اپنے بھائی کو ایک دفعہ تحریر کیا ''اگر تم اعمال میں اپنی نیت خالص رکھو گے، تو تھوڑا سا عمل بھی تمہارے لئے کافی ہو جائے گا اور اگر کوئی بذات خود نیک نیتی پر عمل پیرا نہ ہو سکے تو اس کو چاہیئے کہ ایسے شخص کی صحبت اختیار کرلے جو اس کو اچھی نیت سکھا دے''۔

۶۱۔فرمایا: مرید کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ہر کام میں اللہ کے لئے نیت کرے یہاں تک کہ اپنے کھانے پینے اور پہننے تک میں اس کا التزام رکھے۔ چونکہ مذکورہ تمام کام نفس کی راحت کے لئے ہیں، لہذا اگر ان کاموں میں ''اللہ کے لئے ہونے'' کی نیت رکھے تو اس صورت میں معصیت سے محفوظ رہتا ہے بلکہ مخلصانہ

کاموں اور اللہ کے کاموں میں وہ تعاون کرتا ہے، اگر نفس کو رعایت اور ڈھیل دے دی جائے اور نادرست نیت کے ساتھ یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لئے کوئی کام انجام دیا جائے تو ایسا کام باعثِ وبال بنتا ہے جیسا کہ وارد ہے ''جس نے اللہ تعالی کے لئے خوشبو لگائی تو قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک اذفر سے زیادہ اچھی ہوگی اور جس نے غیر اللہ کے لئے خوشبو لگائی یعنی اللہ کے سوا دوسروں کے لئے خوشبو لگائی تو قیامت کے دن اس کی بدبو مردار سے بھی زیادہ ہوگی''۔

۶۲۔ فرمایا: شیخ سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ لوگ اصول کو کھو کر وصول سے محروم ہو جاتے ہیں جو شخص کردار و گفتار میں حدِ ضرورت کا لحاظ نہیں رکھتا، وہ کھانے پینے اور سونے میں بھی ضرورت کی حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اور جب کوئی ضرورت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو ایسے شخص کے دلی عزائم متزلزل ہو کر یکے بعد دیگر ضائع ہو جاتے ہیں۔

۶۳۔ فرمایا: حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار سے نہیں کرتا تو چار و ناچار خلق خدا کی بندگی کرتا رہے گا، اس طرح اس بندے پر رخصت اور آسانی کے بہت دروازے کھل جاتے ہیں اور دوسرے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔

۶۴۔ فرمایا: مبتدی سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن کرے، قرآن پاک کو حفظ بھی کرے، حفظ قرآن کا آغاز منزل سے کرے اور اس منزل کو پورا حفظ کرے اور اس شخص کے قول پر کان نہ دھرے جو یہ کہتا ہے کہ کسی ایک ذکر کی پابندی یا ہمیشہ کے لئے کوئی ورد کرنا قرآن پاک کی تلاوت سے افضل

ہے۔ بندہ حق (مبتدی سالک) تلاوت قرآن ہی سے خواہ وہ نماز میں ہو یا خارج نماز ہو، اللہ تعالی کی توفیق سے وہ سب کچھ پا سکتا ہے جس کا وہ تمنا کرتا ہے۔

۶۵۔ فرمایا: بعض مشائخ کا یہ دستور ہے کہ انہوں نے مریدوں کے لئے صرف ایک ذکر پسند کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ مرید میں یکسوئی اور جمعیت خاطر پیدا ہو جائے، تاہم اگر کوئی مبتدی سالک خلوت نشین ہو کر تلاوت قرآن کریم پابندی سے کرے اور نماز ادا کرے، تو یہ اس کے لئے ایک ذکر کی پابندی سے بہتر ہے۔ اگر کسی وقت وہ تلاوت سے تھک جائے تو تلاوت کے بجائے وہ ذکر کو اختیار کر سکتا ہے اس لئے کہ ذکر تلاوت کے مقابلہ میں نفس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہر چیز کے لئے قلب کی اہمیت ہے اس لئے ہر عمل میں خواہ وہ تلاوت ہو یا نماز ہو یا ذکر ہو، زبان اور قلب کی ہم آہنگی ہونی چاہیے، اگر دل و زبان کی یہ ہم آہنگی موجود نہیں ہے تو عمل ناقابلِ اعتبار اور ناقص ہے۔

۶۶۔ فرمایا: شیخ ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کی تین ایسی علامتیں ہیں جو اس میں موجود ہونی چاہیئے:

۱: اس کا نور معرفت اس کے ورع و پرہیزگاری کا نور نہ بجھائے۔

۲: اس کے علم باطنی کے معتقدات اس کے احوال ظاہری میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ کریں۔

۳: اللہ تعالی کی کی نعمتوں کی کثرت اور کرامتوں کی بہتات اللہ تعالی کی محرمات کی پردہ پوشی کی ہتک پر اس کو آمادہ نہ کرے، بلکہ کامل لوگوں کی حالت تو یہ ہوتی ہے

کہ جس قدر نعمت میں زیادتی ملتی ہے اتنی ہی ان کی بندگی و عبودیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات اپنی خواہشات کی کامیابیوں پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں، کبھی یہ اپنے نفوس کو خواہشات سے اس طرح بہلا دیتے ہیں جس طرح کسی بچے کو کچھ دے کر بہلایا جاتا ہے اور کوئی معمولی چیز اس کو اس لئے دے دی جاتی ہے (کہ وہ بہل جائے) اس کا سبب یہ ہے کہ نفس چونکہ ان کا مقہور اور ان کی زیر سیاست ہوتا ہے، لہذا یہ اس کا ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آتے ہیں، کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ یہ اپنے نفوس کو خواہشات سے بالکل روک دیتے ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی ہوسکے کہ انبیاء علیہم السلام نے دنیاوی خواہشات کو بہت ہی کم اختیار کیا ہے۔

٦٧۔فرمایا: منزل سلوک میں باکمال شخص بھی نفس کے ساتھ سیاست، اس کو خواہشات سے روکنے، زیادہ روزے رکھنے، تہجد پڑھنے اور گوناگوں امور خیر کے عمل سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ مخلوق کا یہ خیال غلط ہے کہ کامل لوگوں کے لئے ان چیزوں کی ادائیگی ضروری نہیں ہے اور نہ اس کے لئے لذت طلبی اور خواہش دوستی پر کوئی قدغن ہے، ایسی خطا اور غلطی کا نقصان صرف یہی نہیں ہے کہ عارف معرفت سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کی ترقی بھی رک جاتی ہے۔ یہ خیال اس طرح پیدا ہوا کہ جب کچھ عرفاء نے یہ دیکھا کہ ان امور سے نہ تو ان میں قساوت قلب پیدا ہوئی اور نہ کوئی حجاب آڑے آیا تو وہ اس کی طرف مزید مائل ہوگئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ صرف ادائے فرائض پر قانع ہو کر رہ گئے اور انہوں نے اپنے کھانے پینے کا دائرہ وسیع کر دیا اور اس کے بعد میں جو کچھ انبساط روحانی پایا جاتا

ہے، یہ ان کے ان افعال کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے اس سکر احوال کا نتیجہ ہے جس پر وہ اس سے قبل فائز تھے۔

(آپ کے مرید حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ نے دریائے دجلہ کے کنارے دو نصیحتیں کیں) فرمایا: اپنے آپ پر اچھائی سے نظر نہ کرو، اور دوسروں کے متعلق برا خیال نہ کرو۔[1]

کسی نے آپ کو خط لکھا کہ میری عجیب حالت ہے، اگر نیک عمل کرتا ہوں تو خود پسندی اور عجب کا شکار ہو جاتا ہوں اور اگر چھوڑتا ہوں تو بے کاری آجاتی ہے، کیا کروں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: نیک کام کرتے رہو اور ساتھ اللہ تعالیٰ سے عجب پر توبہ و استغفار بھی کر لیا کرو۔[2]

☆☆☆☆☆☆☆

---

۱ بوستان سعدی

۲ وفیات الأعیان، ج۳ص۴٤٧

حضرت معین الدین حسن چشتی صاحب رحمہ اللہ

ولادت وابتدائی حالات

آپ کا اسم گرامی حسن، لقب معین الدین، والد کا نام خواجہ غیاث الدین ہے، آپ رجب ۳۷ھ کو پیدا ہوئے ، [1] بعض اہل تاریخ کے نزدیک سیستان، بعض کے نزدیک سجستان جبکہ بعض کے نزدیک سنجر آپ کا وطن مالوف ہے اور وہی آپ کی ولادت ہوئی۔ والد کی طرف سے سلسلہ نسب چند پشت پر جاکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاملتا ہے اور بعض اہل تاریخ کے نزدیک والدہ کی جانب سے سلسلہ نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک جاپہنچتا ہے ،اس رو سے آپ نجیب الطرفین بن جاتے ہیں۔ آپ پندرہ سال کے ہوئے تو والد کا انتقال ہو گیا اور وراثت میں آپ کو ایک باغ اور ایک چکی مل گئی، یہی آپ کے معیشت کے اسباب تھے۔

اساتذہ ومشائخ

والد سے ترکہ میں جو باغ ملا تھا، آپ اسی کے دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے، ایک بار ایک گمنام بزرگ شیخ ابراہیم قندوزی وہاں حاضر ہوئے اور ان کی توجہ وتصرف سے آپ میں طلب کا عجیب وشدید اشتیاق پیدا ہوا جس کی وجہ سے باغ بیچ کر رقم صدقہ کرڈالی اور طلب حق کے جذبہ سے محوِ سفر ہوئے۔ ظاہری علوم

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۱ ص ۹۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۲۴ میں آپ کی تاریخ ولادت ۶۳۷ لکھی گئی ہے، لیکن وہ بظاہر کتابت یا طباعت ہی کی غلطی ہے۔

کی تحصیل اور اس کے اساتذہ و مشائخ کا کچھ زیادہ حال تو مشہور نہیں ہے، [1] تاہم سلوک وتصوف کے لئے بغداد میں حضرت عثمان ہارونی صاحب رحمہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوئے ،ان کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا ،اجازت وخلافت سے بھی مشرف ہوئے لیکن اس کے باوجود بیس سال تک ان کے پاس رہے، سفر وحضر میں ان کی خدمت کرتے رہےاور ان کی ہدایات وتعلیمات کے مطابق اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کرتے رہے۔

اتنا عرصہ گزارنے کے بعد آپ شیخ کی اجازت سے وہاں سے نکلے اور مختلف اطراف کے علماء ومشائخ سے ملتے ملتے لاہور پہنچ گئے، حضرت علی ہجویری صاحب رحمہ اللہ کے مزار پر کچھ دن معتکف رہے،اس کے بعد دہلی ہوتے ہوئے اجمیر شریف روانہ ہوئے اور وہی باقی پوری زندگی بسر کردی۔ یہ وہ زمانہ تھا جسب اس خطہ میں پتھورارائے کی حکومت تھی اور وہ ان دونوں اجمیر ہی میں مقیم تھا۔

خصوصیات وعادات

آپ کے حالات و واقعات اور زندگی کے اتار چڑھاؤ میں غور کرنے سے آپ کی متعدد صفات واضح ہوجاتی ہیں جن میں چند نمایاں صفات وعادات درج ذیل ہیں:

---

[1] ''نزہۃ الخواطر'' میں اتنا لکھا ہے کہ سمر قند جاکر قرآن کریم حفظ کیا اور وہی علوم حاصل کئے، دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا، پھر آخر میں نیشا بور کے ایک گاؤں ہارون چلے گئے اور وہاں شیخ عثمان ہارونی کی صحبت وخدمت اختیار کی اور بیس سال تک ان کے پاس رہے۔ (نزہۃ الخواطر، ج ا ص ۹۱)۔

الف: خدمت خلق۔آپ کی زندگی میں یہ وصف بہت نمایاں محسوس ہوتا ہے،یوں تواجتماعی فائدہ کے لئے جو بھی حضرات کوئی کام کرتے ہیں،وہ خدمت خلق ہی کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں،خاص جولوگ دینی ومذہبی ذمہ داریاں نبھانے میں اپنی صلاحیتیں اور اوقات صرف فرماتے ہیں ، لیکن آپ میں براہ راست خدمت کی صفت بھی جھلک کر دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ سلوک وتربیت کے زمانے میں اپنے شیخ کے ساتھ بیس سال رہ اکران کی خوب خدمت کی، حضر وسفر میں ان کو ہر طرح سے آرام پہنچانے کی کوشش کرتے رہے،ایک جگہ خود فرماتے ہیں کہ اس خدمت میں مشغولیت کی وجہ سے سال ہاسال سے میں نے خود آرام نہیں کیا۔ سلوک کے مرحلہ طے کرنے کے بعد جب عام مسلمانوں کی تربیت کرنے کے مرحلے میں داخل ہوئے تووہاں بھی دینی ودنیوی دونوں سطح پر مختلف طریقوں سے ان کی خدمت کرتے رہے۔شاید "غریب نواز" کے ساتھ آپ کی شہرت وتعارف کی بھی یہی وجہ ہو۔

ب: مجلس اور بات میں تاثیر۔آپ کی باتوں،مواعظ اور مجالس میں بڑی ہی تاثیر تھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "کہتے ہیں کہ جس پر نظر ڈالتے تھے،صاحبِ معرفت ہوجاتا تھا۔"[1] اگر اس بات پر نظر رکھی جائے جو آپ کے اکثر سوانح نگاروں نے تحریر فرمائی ہیں کہ لاکھوں افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور لاکھوں مسلمان افراد اپنی گناہوں اور معصیت بھری

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۲۴

زندگی سے توبہ تائب ہوئے،اس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ آپ کا کردار وگفتار دونوں بڑے ہی پُر تاثیر تھے۔

ج: نصرتِ اسلام۔ آپ نے اپنی طویل زندگی میں دین اسلام کی بڑی نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ جس وقت آپ اجمیر کی سرزمین پر رونق افروز ہورہے تھے،اس وقت تک وہاں کفار کی حکومت اور کفر ہی کا بول بالا تھا، لیکن آپ کی غیر معمولی محنتوں، ریاضتوں اور اللہ تعالیٰ سے غیر معمولی مضبوط تعلق کی برکت تھی کہ لاکھوں افراد حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، گناہ گار لوگ اپنے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے توبہ کرکے سنت وشریعت کے مطابق زندگی گزارتے رہے۔ سپہ سالارِ اسلام شہاب الدین غوری نے حملہ کرکے جو اسلامی حکومت قائم کی،اس میں آپ کی بھی محنت وخدمت کا دخل تھا۔

د: اتباع سنت۔ آپ کے زندگی میں اتباع سنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی،اپنی استطاعت کے مطابق ہر چھوٹی بڑی بات میں سنت کی پیروی کی کوشش کرتے رہتے تھے،اور جس طرح نیک لوگوں کے ہاں دستور ہوتاہے کہ اگر خلافِ سنت کوئی کام کرے تو فوراتنبیہ کردی جاتی ہے ،یوں ہی آپ کا بھی حال تھا کہ اگر کسی کام میں سنت کی کچھ خلاف ورزی ہوجاتی تو ساتھ ہی ساتھ اس پر تنبیہ ہوتی تھی جس کی برکت سے فوراتلافی ہوجاتی تھی۔ چنانچہ کہا جاتاہے کہ آپ کا نکاح بھی اسی دستور کے مطابق ہوا تھا، چنانچہ اجمیر شریف تشریف آوری تک آپ نے کوئی نکاح نہیں کیااور یہاں بھی ایک عرصہ یوں ہی تجرد کی زندگی گزارتے رہے لیکن بعد میں تنبیہ ہوئی جس کی بنیاد پر آپ نے نکاح کیا،اسی طرح مسواک جیسی وہ سنتیں جن کو

عام طور پر معمولی سمجھا جاتا ہے، ان کے چھوڑنے پر سرزنش ہوتی تھی اور اس کی بناء پر توبہ ورجوع کی بھی توفیق ملتی تھی۔

تلامذہ وخلفاء

عام کتابوں کی درس وتدریس کا حال تو کسی مستند ماخذ میں ہمیں نہیں مل سکا، تاہم تصوف وسلوک کے مطابق لوگوں کی تربیت کرنا آپ کی زندگی کا اہم اور بنیادی مشغلہ رہا، بلا شبہ لاکھوں افراد آپ کے کردار وگفتار سے مستفید ہوئے، ہزاروں افراد نے آپ کی بیعت وصحبت کا فائدہ اٹھایا، اور ان میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جن کو آپ نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، جن میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فخر الدین چشتی، صوفی حمید الدین ناگوری، قاضی حمید الدین ناگوری (دہلی)، خواجہ برہان الدین اجمیری، خواجہ احمد اجمیری، خواجہ سلیمان غازی وغیرہ بہت سے حضرات شامل ہیں۔

علمی مآثر

الف: انیس الارواح۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے شیخ ومرشد حضرت خواجہ عثمانی ہارونی رحمہ اللہ کچھ اقوال وملفوظات جمع فرمائے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے، اردو میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا ہے جو عام دستیاب ہے۔

ب: کشف الاسرار۔ اس کتاب کا موضوع علم تصوف ہے۔

ج: کنزالاسرار۔ یہ دونوں کتابیں بھی بعض تراجم میں آپ کی طرف منسوب کی گئیں ہیں، اس آخری کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آپ نے اپنے شیخ ومرشد کے حکم پر سلطان التمش کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے فرمائی تھی۔

وفات

آپ نے اس دارِ فانی میں نوے سال سے زیادہ عرصہ بیت کر پیر کے دن چھ رجب چھ سو ستائیس ۶۲۷ھ، چھ سو بتیس ۶۳۲ھ، یا چھ سو تینتیس ۶۳۳ھ ہجری کو یہاں سے ہمیشہ کے لئے انتقال فرمایا اور وہاں چل بسے جہاں سے کسی فردِ بشر نے واپس نہیں آنا ہے۔ اجمیر شریف میں تدفین عمل میں آئی اور وہی آپ کا قبر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظات

۱۔فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عزت میں نماز کے بغیر قرب حاصل نہیں کرسکتا۔کیونکہ یہی نماز ہی معراج المومنین ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "الصلوۃ معراج المؤمنین "یعنی بندے کواللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ اور پیوستہ رکھنے والی نماز ہی تو ہے پھر فرمایا نماز ایک راز ہے جسے بندہ اپنے پروردگار سے بیان کرتا ہے اور راز کہنے کے لئے بندے کو ایسا قرب حاصل ہوتا ہے جو اس راز کے لائق ہوتا ہے اور اصل راز کی باتیں تو صرف نماز ہی میں کہی جاسکتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔"المصلی یناجی ربہ "یعنی نماز پڑھنے والا دراصل اپنے اللہ سے سرگوشی میں کوئی راز کی بات کرتا ہے۔[1]

۲۔فرمایا: جس نے بھی کچھ حاصل کیا خدمت سے ہی حاصل کیا۔لہٰذا مرید کے لئے ضروری ہے کہ پیر کے حکم سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے وہ جو نماز وتسبیح،اوراد و وظائف بتائے ان پر دل وجان سے عمل پیرا ہو۔اور پیر کے ہر حکم کی تعمیل کرے تاکہ ولایت میں مقام حاصل کرے۔کیونکہ پیر اپنے مرید کے لئے

[1] یہ تمام ملفوظات حضرت چشتی رحمہ اللہ کے ملفوظات پر مشتمل کتاب "دلیل العارفین" سے ماخوذ ہے جو آپ کے خادم خاص اور ممتاز خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ نے قلم بند فرمائے ہیں۔البتہ آخر کے دو ملفوظات شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "اخبار الاخیار" سے اور اس سے پہلے چار ملفوظات حضرت مولانا قمر الزمان صاحب کی کتاب "اقوال سلف "ج۳ سے ماخوذ ہیں۔

"مشاطہ "(بنانے سنوارنے والی) کی حیثیت رکھتا ہے وہ جو بھی اپنے مرید کو کسی کام کی ترغیب دے گا وہ دراصل مرید کے حالات کو کمالیت کے درجہ تک پہنچانے کے لئے ہی ہو گا۔

۳۔فرمایا: کہ میں ایک دفعہ خواجہ اجل شیرازی رحمۃاللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا شام کی نماز کا وقت قریب آگیا خواجہ اجل شیرازی رحمۃاللہ علیہ تجدید وضو کے دوران انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے۔ہاتف غیبی کی آواز ان کے کانوں میں آئی "کہ اے اجل ! دعویٰ تو ہمارے محمد ﷺ کی دوستی کا کرتے ہو اور پھر اس کے امتی بھی بنتے ہو مگر اس کی سنت کے تارک بھی ہو۔" اس کے بعد خواجہ اجل شیرازی رحمۃاللہ علیہ نے قسم کھائی کہ اس دن سے لے کر اپنی وفات تک میں نے رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت کو ترک نہیں کیا۔

۴۔فرمایا: کہ ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ اجل شیرازی رحمۃاللہ علیہ کو بہت متفکر اور پریشان دیکھا میں نے پوچھا جناب کیا بات ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اس دن سے جس دن کہ میں نے وضو کرتے وقت انگلیوں کا خلال نہیں کیا تھا حیرت میں ہوں کہ میں کل بروز قیامت خواجہ کائنات ﷺ کو اپنا منہ کیسے دکھاؤں گا؟

۵۔فرمایا: کہ عارف ہمیشہ عشق کے ولولہ میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تخلیق میں حیران رہتا ہے اگر وہ کھڑا ہے تو اس حالت میں بھی اپنے محبوب حقیقی کے خیال ہی میں ہوتا ہے اور اگر وہ بیٹھا ہے تو پھر بھی اپنے دوست کے ذکر میں ہوتا ہے اور اگر وہ سویا ہوا ہو تو پھر بھی اپنے دوست کے خیال میں متحیر ہوتا

ہے اور اگر وہ بیداری کی حالت میں ہو تو پھر دوست کے حجابِ عظمت کے ارد گرد طواف کرتا رہتا ہے۔

۶۔ فرمایا: نماز ادا کرنے والوں کا حق ہے کہ وہ نماز ادا کرنے کا حق ادا کریں یعنی اسے کما حقہ طریقے سے ادا کریں اور جو شخص نماز کا حق ادا نہیں کرتا تو فرشتے اس کی نماز کو آسمان پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بارگاہ ایزدی سے حکم آتا ہے کہ اس نماز کو واپس لے جاؤ۔ اور اسے نمازی کے منہ پر مارو۔ اس وقت یہ نماز اپنی زبان حال سے کہے گی کہ تو نے مجھے ضائع کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں نمناک ہوئیں اور فرمایا اے درویش نماز دین کا ستون ہے اور ستون پر ہی مکان کا دار و مدار ہوتا ہے اگر ستون سلامت ہے تو گھر بھی سلامت ہے۔ اور اگر مکان کا ستون ہی گر گیا تو پھر گھر بھی بیکار ہے۔

۷۔ فرمایا: کہ جو شخص روز حشر کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی ایسی طاعت کرنی چاہئے جو اللہ کے نزدیک سب سے بہتر طاعت ہو۔ اس کے بعد میں نے (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ) نے عرض کی کہ جناب وہ کون سی طاعت ہے؟ انہوں نے فرمایا:

۱۔ عاجزوں اور پسماندگان کی فریاد رسی کرنا۔

۲۔ لاوارثوں اور بیچاروں کی حاجت پوری کرنا۔

۳۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک کوئی اور عمل ان سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔

۸۔فرمایا: کہ جو شخص کوئی وظیفہ یا ورد روزانہ پڑھنا چاہیئے اگر دن کو نہ پڑ سکے تو رات کو ضرور پڑھے۔ بہر حال وظیفہ کا ناغہ نہیں کرنا چاہئے۔ وظیفہ سے فارغ ہو کر دوسرے کاموں میں مشغول ہونا چاہیئے۔

۹۔ فرمایا: کہ عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہوتا ہے جو چیز بھی اس میں در آئے گی آتش محبت اسے جلادے گی۔ اور اسے نیست کر دے گی۔ کیونکہ کوئی آگ محبت کی آگ سے زیادہ تیز نہیں اس کے بعد فرمایا کہ جب تک سالک طریقت کے راستہ میں دنیا اور دنیا کی ہر ایک چیز کو حتّٰی کہ اپنے آپ کو طلاق نہیں دے دیتا یعنی جب تک وہ ماسوی اللہ سے (اللہ کے بغیر ہر ایک چیز سے) بیزار نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص مذکورہ شرائط کو پورا نہیں کرتا وہ اہل سلوک میں کذاب اور جھوٹا ہوتا ہے۔

۱۰۔ فرمایا: کہ اگر ہو سکے تو بقاء باللہ کے مقام پر پہنچ جاؤ، ورنہ تمہارے زہد کی صلاحیت کس کام کی؟ پھر خواجہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ زار وقطار رونے لگ گئے، پھر فرمایا اس راستہ نے بہت سے مردوں کو عاجز بنا کر رکھ دیا اور بہت سے عاجزوں کو جواں مرد بنا دیا۔

۱۱۔ فرمایا: کہ تمہارے گناہ سے تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا نقصان ایک مسلمان بھائی کو ذلیل کرنے اور اس کی توہین کرنے پر تمہیں پہنچے گا۔ پھر فرمایا ایک بہت بڑے بزرگ واصل باللہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے طالب، دنیا کے طلب میں معذور ہیں اور آخرت کے طالب حق کی دوستی سے مسرور ہیں اور اہل

معرفت نور علیٰ نور۔ یہ وہ راز ہے جسے صرف اہل سلوک ہی جان سکتے ہیں۔ پاس انفاس (ایک مخصوص ذکر) اہل معرفت کی عبادت ہے۔

۱۲۔ فرمایا: اگر کوئی غلط آدمی کچھ عرصہ تک نیکوں کی صحبت اختیار کرے تو اس میں نیکوں کی صحبت کے اثر ہونے کی امید ہوتی ہے۔ نیکوں کی صحبت اختیار کرنا اس کی نیکی کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نیک آدمی کچھ روز بُروں کی صحبت اختیار کرے تو وہ بھی انہی جیسا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سلوک میں نیکوں کی صحبت کو نیک کام کرنے سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔

۱۳۔ فرمایا: کہ ایک متقی عارف کی صحبت انسان کو نیک بنا دیتی ہے۔

فرمایا: اہل محبت اور اہل سلوک کی محبت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ محبوب حقیقی کے فرمانبردار ہوں اور بارگاہ ایزدی سے دھتکارے جانے سے بھی خائف رہیں۔ یعنی امید و بیم کی درمیانی کیفیت کے حامل ہوں۔

۱۴۔ فرمایا: ایک صاحب شرع بزرگ کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تم جو اتنی عبادت اور ریاضت کرتے ہو اور اپنی نیکیاں عالم آخرت میں بھیجتے ہو پھر تمہیں خوف اور ڈر کس بات کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے خوف دو باتوں کا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے اپنی بارگاہ سے یہ کہہ کر دھتکار نہ دیں کہ تو مجھے نہیں پہچانتا۔ دوسری بات جس کا مجھے ڈر ہے وہ یہ ہے کہ اگر میں نے بوقت وفات اپنے ایمان کو بچا لیا یعنی ایمان پر خاتمہ ہو گیا پھر تو میری کامیابی متصور ہو گی ورنہ میری ساری زندگی کی نیکیاں اور اعمال ضائع اور اکارت جائیں گے۔

۱۵۔ فرمایا: ایک دفعہ خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ زمین پر رکھا یعنی سر بسجود ہو کر از راہ محبت اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بد بختی کی علامت کونسی ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ بد بختی کی علامت یہ ہے کہ ایک تو تم گناہ کرو اور پھر امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ کو قبول کر لیں گے۔ الغرض یہی بد بختی کی علامت ہے۔

۱۶۔ فرمایا: تصوف نہ رسوم کا نام ہے اور نہ ہی علوم کا۔ بلکہ اہل محبت اور مشائخ کے مسلک میں تصوف ان اخلاق کے اپنانے کو کہتے ہیں جو تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ) سے مترشح ہوتے ہیں کوئی شخص رسوم کی بدولت یا علوم کے دم سے اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق نہیں ہو سکتا۔

۱۷۔ فرمایا: عارف دنیا کا دشمن اور مولیٰ کا دوست ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کی وجہ سے اس میں کھوٹ منافقت اور حسد و بغض کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا جس کے دل میں حق کی دوستی ہو اور اس کی جان کو قرار و سکون حاصل ہو جائے تو پھر اس کے لئے واجب ہے کہ دونوں جہاں سے قطع نظر کر لے اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ عاشق صادق نہیں ہو گا۔

۱۸۔ فرمایا: عارفوں کی توکل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا انہیں اور کسی پر توکل نہیں ہوتی اور کسی کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا کہ حقیقت میں متوکل وہ ہوتا ہے جو لوگوں کی ایذاء اور تکلیف رسانی کی کسی سے نہ شکایت کرے اور نہ ہی کسی کو بتائے۔

۱۹۔فرمایا: توبہ کے چند مقام ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلے مقام جاہلوں سے دور رہنا، باطل پرستوں سے لاتعلقی کرنا منکروں سے روگردانی کرنا۔ اپنے محبوب حقیقی کے حکم کے مطابق چلنا، نیکیوں میں جلدی کرنا توبہ پر پکار رہنا، مظالم کو برداشت کرنا، غنیمت کو طلب کرنا اور رزق حلال کا حاصل کرنا ہے۔

۲۰۔فرمایا: حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے لوگوں نے سوال کیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا سب سے افضل عمل اپنے اوقات کو عبادت سے آباد رکھنا ہے اور جو یونہی اپنی بزرگی کا دعویٰ کرتا رہتا ہے اس کی قسمت میں ابھی غم ہیں، وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

۲۱۔فرمایا: کہ میں ایک دفعہ ملتان میں تھا وہاں میں نے ایک بزرگ سے سنا کہ اہل محبت کی توبہ تین قسم کی ہے۔ پہلی قسم ندامت ہے۔ دوسری قسم ترک معصیت ہے اور تیسری قسم خود کو تمام جھیڑوں جھگڑوں اور مخمصوں سے پاک کرنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا علم ایک سمندر جیسی چیز ہے اور معرفت اس سمندر کی ایک جزو ہے کہاں خدا اور کہاں بندہ؟

خلافت دیتے وقت حضرت بختیار کاکی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ چار چیزیں نفس کا گوہر ہیں ایک تو ایسی درویشی ہو جو تونگری معلوم ہو۔ دوسری ایسی بھوک ہو جو بظاہر سیری معلوم ہو۔ تیسری ایسی غمگینی ہو جو اوپر سے خوشی نظر آئے۔ چوتھی چیز جو آدمی تیرا دشمن ہو اس سے بھی تم دوستی رکھو۔

۲۲۔فرمایا: کہ دنیا میں تین چیزیں عزیز ترین ہیں:

ا: عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے۔

۲: وہ شخص جس کو طمع نہ ہو۔

۳: اور وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثناوصفت بیان کرتا رہے۔

۲۳۔ فرمایا: عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں۔ ہیبت، تعظیم، حیا۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گزاری تعظیم ہے۔اور اللہ کے سوا کسی چیز پر نظر نہ ڈالنا حیاء ہے۔

۲۴۔ فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔اول : سمندروں جیسی سخاوت،دوم:آفتاب جیسی شفقت،سوم:زمین جیسی تواضع ومسکنت۔

۲۵۔ فرمایا:اس دنیا میں درویشوں کی درویشوں کے ساتھ مجالست عزیز ترین چیز ہے۔اور درویشوں کا ان سے جدا ہونا بدترین شے ہے۔کیونکہ یہ جدائی کسی علت سے خالی نہ ہوگی۔

۲۶۔ فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبانی سنا،فرماتے تھے کہ انسان مستحقِ فقر اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس عالمِ فانی میں اسکا کچھ بھی باقی نہ رہے، محبت کی علامت یہ ہے کہ فرمانبردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمھیں دوستی سے جدا نہ کردے۔

۲۷۔ فرمایا: عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے،جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام دنیا و مافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت خواجہ محمد بہاءالدین نقشبندی صاحب رحمہ اللہ

ولادت وابتدائی حالات

نام محمد بن محمد بن محمد ہے،لقب خواجہ بہاءالدین ہے اور " شیخ نقش بندی " کے ساتھ مشہور رہے۔آپ کی ولادت محرم ۷۱۸ھ کو بخارٰی میں ہوئی۔

اساتذہ ومشائخ

آپ نے نسف میں سید امیر کلال رحمہ اللہ سے بیعت کیاجو کہ خواجہ بابا سماسی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے،ان کے ہاتھ پر سلوک وتصوف کے میدان میں تربیت پائی،تاہم ان کی تربیت میں خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمہ اللہ اور خواجہ باباسماسی رحمہ اللہ کا بھی حصہ لے رہاہے۔

خصوصیات وعادات

جن لوگوں نے آپ کو دیکھاسناہے،وہ بتاتے ہیں کہ :

۱: آپ کے کلام میں تاثیر بہت تھی،جب وعظ ونصیحت کرتے تو بات دل پر لگتی اور مخاطب میں جوشِ عمل پیدا کرتی تھی،اس لئے ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کیا۔

۲: کردار وگفتار میں پوری طرح مطابقت پائی جاتی تھی،لوگوں کو دینی احکام پر عمل کرنے کی طرف بلاتے تھے ،ہر مشکل گھڑی کے وقت دین وشریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنے کی ترغیب وتحریض کرتے تھے ، خود لوگوں سے بڑھ کر اس پر عمل پیرا تھے، ظاہری وباطنی سے گناہوں کوسوں دور رہتے تھے،اور

طویل عمر نصیب ہونے کے باوجود اپنے ریاضت ومجاہدوں اور اذکار وعبادات کی پوری طرح پابندی کرتے رہے۔

۳: بیان و عمل میں تکلف کا دخل نہ ہوتا تھا، جو کچھ کہنا یا کرنا ہوتا، صاف صاف کرجاتے، تصنع سے کام نہ لیتے تھے۔

۴: نیک اخلاق کے حامل تھے، لوگوں کے ساتھ بھی حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے، خاص کر تواضع کی صفت نمایاں تھی۔

۵: مال ودولت جمع کرنے کی عادت بالکل نہ تھی، چنانچہ بہت سامال ہاتھ آتا رہا، لیکن ساتھ ہی ساتھ خرچ کرتے رہے، یہاں تک کہ انتقال کے وقت اپنے لئے ترکہ میں کفن تک نہیں چھوڑا۔

۶: عام معاشرے سے بالکل لاتعلق نہیں تھے بلکہ غریب ومسکین اور ضرورت مندافراد کی مدد بھی کرتے تھے۔

۷: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کاموں کی طرف لوگوں کو بلانا اور گناہوں سے لوگوں کو روکنا) کا خوب اہتمام کرتے تھے۔

تلامذہ وخلفاء

آپ کی درس وتدریس کا حال تو کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوسکا، البتہ سلوک وتصوف کے راستہ کی تلقین وتربیت آپ کی زندگی بھر کا مشغلہ رہا، اسی میں اپنی پوری خداداد صلاحیتیں صرف فرمائیں، ہزاروں افراد نے آپ کی طرف رجوع کیا جن میں سے بہت سے خدا جانے کن کن مقامات پر فائز ہوئے، تاہم ہندوستان کی سرزمین پر یہ سلسلہ باقی تینوں سلاسل کی بنسبت بہت بعد میں آیا ہے۔ ہندوستان

میں اس سلسلہ کے پہلے معروف بزرگ شیخ شاید حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ ہی تھے[1] جو کابل سے یہاں تشریف لائے اور یہیں سلوک کی خدمت کرنی شروع فرمائی، آپ کے متعدد تراجم میں لکھا ہے کہ آپ یہاں ہندوستان میں ازخود تشریف نہیں لائے بلکہ اپنے شیخ خواجہ محمد امکنگی رحمہ اللہ کے حکم وہدایت ہی پر یہاں آئے تھے۔

آپ کے آغوش میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ جیسی بلند ہمت شخصیت کی تربیت ہوئی اور انہی سے نقش بندی سلسلہ دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان کے چپہ چپہ میں پھیل گیا۔

علمی مآثر

سیر وتراجم کی کتابوں کی کچھ ورق گردانی کے باوجود کسی مستند ذریعے سے آپ کی تالیفی سرگرمیوں کا علم نہیں ہوسکا،اس لئے معلوم نہیں ہوا کہ آپ نے تصنیف وتالیف کا کام کیا تھا یا نہیں؟اور اگر کیا تھا تو اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ البتہ علامہ کاتب چلپی رحمہ اللہ نے آپ کی حالات میں اجمالی طور پر بس اتنا ہی ذکر فرمایا ہے کہ تصوف کے موضوع پر آپ کے کچھ رسائل ہیں۔[2]

---

[1] آپ کا سلسلہ طریقت یہ تھا: حضرت خواجہ باقی باللہ، خلیفہ حضرت محمد امکنگی، خلیفہ حضرت خواجہ درویش محمد، خلیفہ حضرت محمد زاہد، خلیفہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار، خلیفہ حضرت یعقوب چرخی، خلیفہ حضرت علاؤالدین عطار، خلیفہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی۔

[2] سلم الوصول إلى طبقات الفحول، ج۳ص۲۵۲.

لیکن یاد رہے کہ تصنیف وتالیف ہی خدمت دین کا ذریعہ یا نصرتِ اسلام کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ تمام بہت سے ذرائع کی طرح یہ بھی ایک وسیلہ ہے، لہٰذا کسی صاحبِ علم یا باعمل شخص کی دینی حیثیت کو جانچنے کے لئے محض اسی کو بنیاد بنانا اور اسی کے بل بوتے دینی اشخاص وافراد کے مقام ومرتبہ کے فیصلے کرنا بالکل غلط، نامعقول اور غیر منصفانہ رویّہ ہے، ہمارے ہاں یہ تصور مغربی تہذیب کے ذیل میں درآمد ہوا ہے،اس سے بچتے رہنا ضروری ہے۔

وفات

تین ربیع الاول ۷۹۱ھ کو آپ کا انتقال ہوگیا۔"قصرِ عارفاں" بخاری میں آپ کا مرقد ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظات

ا۔فرمایا: آپ نفس کے مکر وفریب پہچاننے اوراس کو متہم سمجھنے کی تاکید کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارے اس طریقہ (نقشبندیہ) کی مقصود تک اسی شخص کی رسائی ہوسکتی ہے جو نفس کے مکر وفریب کو جانتا ہو(اور پھر عملی طور پر ان سے بچنے کا بھی اہتمام کرتا ہو)

۲۔فرمایا: بندہ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کا آقا بن جائے،اس لئے آپ کوئی غلام اور لونڈی پاس نہیں رکھتے تھے،اور جب کوئی اس حوالہ سے عرض کرتا تو یہی جواب دیتے تھے۔

۳۔فرمایا: آپ جہر کے ساتھ ذکر نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے شیخ عبدالخالق صاحب نے عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

۴۔فرماتے تھے: ہمارا یہ طریقہ (نقشبندیہ)(اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا)مضبوط کڑی ہے کیونکہ اس کی بنیاد حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع پر ہے۔[1]

کسی نے پوچھا کہ اس سلسلہ نقشبندیہ کی حقیقت (اوراصل طریقہ کار) کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:"لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی تنہا رہنا،

---

[1] سلم الوصول إلى طبقات الفحول،ج٣ص٢٥٢.

اپنے باطن کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا اور ظاہر کو مخلوق کی جانب کرنا اس طریق کی حقیقت ہے اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

}رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ{ [النور: ٣٧]

ترجمہ: ایسے آدمی جنہیں سوداگری اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

۵۔ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ دل لگانا سالک کے لئے بڑا ہی حجاب ہے۔

٦۔ آپ فرماتے تھے: اپنے نفس کو مٹانا میرے نزدیک اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب تر راستہ ہے لیکن یہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اپنی مرضی وخواہش کو مٹایا جائے اور اپنے عملی کوتاہیاں نظروں کے سامنے رہے۔

۷۔ فرماتے تھے: مرید کے لئے ضروری ہے کہ (کسی سے استفادہ کرتے وقت) اپنے احوال پر نظر رکھے، اگر کسی پیر ومرشد کی صحبت اختیار کرنے سے اس کے حالت میں دینی ترقی پیدا ہو جاتی ہے تو ساتھ ہو جائے (ورنہ نہیں)۔[1]

---

[1] معلوم ہوا کہ بیعت کا مقصود صرف برکت کا حصول نہیں ہے اور نہ ہی محض اس بنیاد پر بیعت کرلینی چاہئے بلکہ اصل مقصود اپنی اصلاح ہے، لہٰذا بیعت کا تعلق وہی قائم کرلینا چاہئے جہاں مقصود حاصل ہونے کی امید زیادہ ہو۔

۸۔ فرماتے تھے: ہمارا طریقہ (نقشبندیہ) یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھ کر کارِ خیر میں مصروف رہا جائے اور وابستہ لوگ (ضرورت کے وقت) ایک دوسرے کی غلطی کی نشاندہی اور اصلاح بھی کرتے رہے، (خلوت اختیار کرنا ہمارا طریق نہیں ہے کیونکہ) خلوت میں شہرت پیدا ہوتی ہے [1] اور شہرت مصیبت ہے۔ [2]

کسی نے آپ سے کرامت کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہو سکتی ہے کہ اس قدر زیادہ گناہوں کے باوجود بھی ہم زمین پر چلتے ہیں۔ [3]

۹۔ آپ فرماتے تھے: "لا الہ" میں طبیعت کے معبود کی نفی ہے، اور "الا اللہ" میں معبود برحق کا اثبات ہے، "محمد رسول اللہ" میں اپنے آپ کو "فاتبعونی" (میری تابعداری کرو) کے حکم میں لانا ہے۔

۱۰۔ فرمایا: ذکر سے مقصود یہ ہے کہ کلمہ توحید کی حقیقت تک پہنچے اور کلمہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ما سوائے کے کہنے سے کلی طور پر نفی ہو جائے، بہت کہنا (یعنی زیادہ بار کلمہ دہرانا) شرط نہیں ہے۔

---

[1] اس سے تصوف اور اہل تصوف کا نقطہ نظر معلوم کیا جا سکتا ہے، یہ حضرات شہرت سے بہت زیادہ ڈرنے اور بھاگنے والے تھے، لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتے تھے، اخلاقی خرابیوں اور روحانی کمزوریوں سے بچنے کے لئے یہ چیز حصار کا کام دیتی ہے۔

[2] الشقائق النعمانيه في علماء الدوله العثمانيه، ص: ۱۵٤.

[3] بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية، ج۱ص۱۵۱.

١١۔ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص بیمار ہے اور وہ حضور کی توجہ کا سائل ہے، فرمایا کہ :پہلے تو رجوع عاجزانہ چاہئے، پھر شکستہ دل کے ساتھ توجہ (کی ضرورت ہے)۔

١٢۔ شیخ قطب الدین جو حضرت کے مرید تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا، حضرت نے مجھے فرمایا کہ فلاں کبوتر خانہ میں جا، وہاں سے چند کبوتر لا، جب میں کبوتروں کے بچے لایا تو میری طبیعت ان کی طرف راغب ہوئی۔ایک کبوتر کا بچہ میں نے زندہ رکھ لیا، اور باقی خواجہ کے حضور میں لایا، جب کبوتروں کو پکارا اور حاضرین پر تقسیم کیا، تو مجھے نہ دیا اور فرمایا کہ فلاں شخص نے اپنا حصہ زندہ لے لیا ہے۔

١٣۔فرماتے تھے کہ ہمارا طریقہ مضبوط کڑی ہے، رسول اللہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کی پیروی کرنا۔اس طریقہ پر تھوڑے عمل کے ساتھ بہت سے فتوحات حاصل ہوتی ہیں لیکن سنت کے کام کی پیروی بھی بڑا کام ہے، جو شخص اس طریقہ سے منہ پھیرے، اس کے دین میں خطرہ ہے۔[1]

١٤۔آپ تہجد کی نماز بارہ رکعتیں چھ سلام سے پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ نماز رسالت پناہ ﷺ پر فرض رہی ہے اور آخر میں نفل ہو گئی ہے۔اور مقام محمود کا وعدہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ادائے نماز تہجد سے وابستہ تھا ۔

---

[1] نفحات الانس، ص۴۱۴ تا ۴۱۸

۱۵۔آپ فرماتے ہیں: یہ بات نہیں ہے کہ جو شخص دوڑا اس نے اللہ کو پالیا، مگر اللہ کو وہی پاتا ہے جو اس کی راہ میں دوڑتا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اس راہ میں سعی کرتا ہے۔(اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے صرف وقتی طور پر مجاہدہ کرنا، شرعی احکام پر عمل کرنا کافی نہیں ہے جبکہ استقامت کے ساتھ اس کو جاری نہ رکھے)۔

۱۶۔فرمایا: درویش دو قسم کے ہوتے ہیں:

بعضے ریاضتیں اور مجاہدے کر کے نتائج مانگتے ہیں اور بالآخر پالیتے ہیں اور اپنے مقصد کو پہنچ جاتے ہیں۔

اور بعض فضلی ہیں، جو محض فضل خدائے بزرگ و برتر کے امیدوار رہتے ہیں۔ یہ لوگ جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

"الحقيقة ترک ملاحظة العمل لا ترک العمل"

یعنی حقیقت نیک کاموں پر نظر نہ کرنا ہے، نہ کہ عمل ہی کو ترک کر دینا۔

۱۷۔فرمایا: بندہ کو چاہیئے کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے، کھانے پینے کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے قرآن پڑھنے اور کتابت کرنے، سبق پڑھنے، وعظ کہنے وغیرہ میں چاہیئے کہ پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ عزوجل سے تساہل نہ رہے تاکہ مقصود حاصل ہو۔

۱۸۔آپ فرماتے ہیں: ولایت بڑی نعمت ہے۔ولی کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے، تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔اس لئے کہ مومن اللہ کا ولی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"الله ولی الذین امنوا"

ترجمہ: اللہ ایمان والوں کا مدد گار ہے۔

مزید آپ نے فرمایا کہ ولی محفوظ ہوتا ہے۔ عنایت الٰہی اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفت سے اس کو محفوظ رکھتی ہے۔ خوارق اور کرامات کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ معاملہ استقامت سے متعلق ہے۔

۱۹۔ شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت اور سستی دور ہو جائے۔ اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں شیخ اجل امام بہاء الدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب وخود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت وہدایت درکار ہے۔ کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہو گا اس سے روک دے گا۔

۲۰۔ حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ نقشبندؒ قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت! اگر ایسا شخص جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ شیخ نے فرمایا اس کو چاہئے کہ

استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے، تاکہ پانچ وقت مل کر سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں، اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا رہتا ہے۔[1]

۲۱۔ فرماتے ہیں: میں نے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک قریب تر راستہ پایا ہے، وہ اپنے نفس کی مخالفت کرنا ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ شرعی احکام و تعلیمات کی رعایت رکھتے ہوئے مخالفت کی جائے، یعنی نفس کی مخالفت میں کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جو شرعی احکام کے خلاف ہو۔)[2]

۲۲۔ فرمایا: مسلمانی اور احکام کی اطاعت، تقوی کی رعایت، عزیمت پر عمل اور حتی المقدور رخصتوں سے دور رہنا سب نور و پاکیزگی اور رحمت ہے اور ولایت کے درجات کے حصول کا ذریعہ ہے، اولیاء اللہ منازل اور مقامات شریف تک ان صفات کی پرورش (نشو نما) سے پہنچتے ہیں۔[3]

---

[1] اقوالِ سلف ج۴ص۱۰۵تا۱۵۱

[2] التفسير المظهري، ج۱۰ص۱۹٤

[3] یہاں سے لے کر آخر حضرت نقشبندی رحمہ اللہ کے جس قدر ملفوظات ذکر ہیں، یہ سب حضرت کے مرید با صفات اور ماذون و مجاز حضرت خواجہ احمد پارسا رحمہ اللہ کے رسالہ "رسالہ قدسیہ" سے ماخوذ ہیں۔ اصل رسالہ فارسی میں تھا، جناب ڈاکٹر نذیر احمد رانجھا صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں ضلع میانوالی سے طبع ہوا ہے، اور یہ ملفوظات اسی اردو ترجمے سے ماخوذ ہیں۔

۲۳۔ فرمایا: مخلوق سے سب دوریاں اس وجہ سے ہیں کہ وہ خود کو دور پھینک دیتے ہیں اور اختیار سے اپنے اوپر بوجھ زیادہ کر لیتے ہیں، ورنہ فیضِ الٰہی میں کوئی کمی نہیں ہے۔

۲۴۔ حضرت سیّد امیر کلال (رحمۃ اللہ علیہ) مثال پیش کرتے تھے اور فرماتے تھے: "جب تک تعلقات کی نمی (تری) دور نہ ہو جائے، اس وقت تک وجود کا پیالہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کو تصرّف کی بھٹی میں رکھیں اور پھر جب پیالو کو بھٹی میں رکھتے ہیں تو بعض بھٹی سے درست باہر آتے ہیں اور بعض ٹوٹے ہوئے (نکلتے ہیں) اور یہ ازلی ارادہ کے ظہور کی نسبت سے (ہوتا) ہے۔ اس کے باوجود جو ٹوٹا ہوا باہر آیا ہے، اس کے بارے میں ایک امید ہوتی ہے کہ اس کو دوبارہ پیسیں گے اور تازہ مٹی کے ساتھ اس کو جوڑیں گے اور اس کو دوسری مرتبہ بھٹی میں چڑھائیں گے، تاکہ اس بار (یہ) درست باہر آئے"۔

۲۵۔ فرمایا: (حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ روحہ نے) فرمایا: امیر کلال (رحمۃ اللہ علیہ) آخری عمر میں تین دن قبلہ رو متوجہ ہو کر بیٹھے تھے اور کسی کے ساتھ بات نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد بات چیت کرنے لگے اور شکر ادا کیا اور فرمایا: "اس توجہ سے مقصود یہ تھا کہ پہچانا جائے کہ قبولیت کا دروازہ کھولتے ہیں یا ردّ کرتے ہیں"۔

۲۶۔ فرمایا: اہل اللہ کے طریقہ کے چند اقسام ہیں۔ بعض نے رخصت پر عمل کیا ہے اور ان کا رخصت سے مقصود خلقت کا نفع تھا، نہ کہ اپنا وجود (کا)۔ بعض نے عزیمت پر عمل کیا ہے اور ان کا مقصد بھی خلقت کا نفع دینا تھا، نہ کہ اپنے وجود

(کو)۔ لیکن خلقت کا فائدہ عزیمت کے عمل میں بہت زیادہ ہے اور اس میں ظہور زیادہ مکمل اور خطرے سے زیادہ دور ہے۔ سب کام میں (لگے) ہیں۔ ہر ایک آدمی ایک درخت کی مانند ہے: درخت کسی نتیجہ کے بغیر نہیں ہوتا، یا پھل دیتا ہے، اگرچہ پھلوں کے ذائقے (مزے) مختلف ہوتے ہیں۔ یا اس کے سائے میں آرام کرتے ہیں۔ یا اس کی خوبصورتی اور تروتازگی سے نظر کے اعتبار سے لطف اٹھاتے ہیں۔

۲۷۔ فرمایا: اہل باطل کا طریقہ کم دیکھنا، کم سمجھنا، نیستی (نابودی) اور افتقار (مفلسی وناداری) ہے اور اعمال کی کمی وکوتاہی دیکھنا اور احوال کے نقصان وکمی کا مشاہدہ کرنا ہے۔ بشریت کے وجود کی کسی چیز سے اس قدر نفی نہیں ہوتی کہ جتنی (اعمال کی) کمی وکوتاہی دیکھنے سے (ہوتی ہے)۔ ان حکمتوں میں ایک حکمت کہ جن کی بناپر انبیاء علیہم السلام پر ابتلا وآزمائشیں وارد ہوئی ہیں، یہ تھی۔

۲۸۔ فرمایا: استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ استغفار بشریت کے وجود سے ہے، جو کہ گناہوں کی اصل (بنیاد) ہے۔ اس کے بعد کہ جب سالک بشریت کے وجود کو پہچان لیتا ہے اور اس کی بقا کے درد کو خود میں پاتا ہے اور اس درد اور بیچارگی میں آہ وزاری کے سر سے حضرت صمدیت تبارک وتعالی کی بارگاہ میں رونے لگتا ہے تو استغفار کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے:

خلق ترسند از تو من ترسم ز خود
کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد
دولت درد مسلمانیم دہ
نیستی نفس ظلمانیم دہ

یعنی: خلقت تجھ سے ڈرتی ہے اور میں خود سے ڈرتا ہوں، کیونکہ میں نے تجھ سے نیکی (اچھائی) دیکھی ہے اور خود سے برائی (خرابی)۔ تو مجھے مسلمان ہونے کے درد کی دولت اور مجھے ظالم نفس کی نیستی عطا کر۔

۲۹۔ فرمایا: اہل اللہ پر قصور کو وارد کرنے میں بھی ان کے بشری وجود کی نفی کی حکمت ہے اور (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کا (حضرت) خضر علیہ السلام پر اعتراض جو کہ شریعت کی غیرت (سرگرمی) کی وجہ سے تھا، اس کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے وجود کی نفی تھی۔

۳۰۔ فرمایا: مرشد حقیقی حق سبحانہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کی اس کے حال کی نسبت سے ترتیب فرماتا ہے۔ چونکہ امت کے اولیاء کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کی نسبت سے حصہ نصیب ہے، بلاشبہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ولایت کی نسبت سے بھی ایک حصہ نصیب ہے اور امت کے اولیاء کو علم لدنی سے حصہ (حضرت) خضر علیہ السلام کے مشرب کی نسبت سے اور ان کی روحانیت سے استمداد (مدد چاہنے) کی نسبت سے حاصل ہے۔ اگرچہ اولیاء جسمانیت کی صورت کے واسطہ سے اس وقت اس مدد چاہنے سے غافل ہوتے ہیں۔

اس طریقہ میں نسبت باطنی اس طرح واقع ہوئی ہے کہ دل کی جمعیت (اطمینان) مجلس اور تفرقہ کی صورت میں اس سے زیادہ ہے جو کہ خلوت میں ہوتی ہے۔ اور جمعیت (اطمینان) کی صورت ایسے جوہر کی مانند کہ جو جس قدر زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے، اس کی جوہریت (اصلیت) اتنی ہی زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

۳۱۔فرمایا: معلوم نہیں کہ کس صفت (حالت) میں رکھتے ہیں اور خاتمہ کس صفت (حالت) پر ہوگا؟ کبھی ایک آرام اور کبھی بے قراری۔ایک بے تدبیر کام ہے اور ایک ضروری حیرت ہے۔ سب لوگ ایک صفت کے کسب سے کمال تک پہنچے ہیں، لیکن معاملہ کا انجام حیرت ہے۔ تن حوالے کرنا چاہیے اور غیب کے تصرفات کو تسلیم کرنا چاہیے اور اپنے وجود کو کلی طور پر حضرت واجب الوجود تبارک و تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے۔ابتدااور وسط (درمیان) معلوم ہے، لیکن انتہا معلوم نہیں ہے کہ خاتمہ کس صفت پر ہے اور کس حالت پر ہے۔سب اسی پر ہوئی ہیں۔

۳۲۔فرمایا: جب سالک کو بلوغ کے بعد دل و زبان میں تفرقہ نہیں ہوتا ،یعنی ظاہری اشغال باطنی اعمال سے رکاوٹ نہیں بنتےاور باطن کا عمل ظاہری شغل سے حجاب (پردہ) نہیں بنتا۔اس وقت (اسے) خلقت کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف دعوت (دینے) کی اجازت ہوتی ہے۔اور سالک کے بلوغ سے مراد اس میں وجود کے تصرف سے فنا ہے اور (اس کا) سیر فی اللہ میں پہنچنا ہے جو جذبہ کا مقام ہے۔

۳۳۔فرمایا: جب سالک جذبات الوہیت کے تصرفات کو خود میں مشاہدہ کرلیتا ہے اور جذبات کے آثار کی کیفیات خود میں دیکھ لیتا ہے اور جذبہ الٰہی کی صفت کا مظہر بن جاتا ہے تو یقیناجذبہ کی صفت سے کسی دوسرے کے باطن میں تصرف کر سکتا ہے اور اس کا یہ تصرف حق تعالیٰ کا تصرف ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆